

پیماری کے شکار شخص کے حکم
سے متعلق واضح و روشن حق

الحق المبتلى

فى حكم المبتلى

مصنف

اعلیٰ حضرت مجید و امام احمد رضا
علیہ الرحمہ

جمعیت اشاعت اہلسنت پاکستان

نور مسجد کاغذی بازار کراچی ۷۴۰۰۰

Ph : 021-2439799

www.ishaateislam.net



الحق المجتلی فی حکم المبتلی

۵۱۳۱۲

(پیماری کے شکار شخص کے حکم سے متعلق واضح و روشن حق)

تصنیف لطیف: اعلیٰ حضرت مجدد امام احمد رضا خاں بریلوی

www.alahazratnetwork.org

پیش کش:

اعلیٰ حضرت نیٹ ورک

برائے:

www.alahazratnetwork.org

الحق المجتلی فی حکم المبتلی	:	نام کتاب
اعلیٰ حضرت مجدد امام احمد رضا خاں بریلوی	:	تصنیف
راؤ فضل الہی رضا قادری	:	کمپوزنگ
راؤ ریاض شاہد رضا قادری	:	ٹائٹل و ویب لے آؤٹ
راؤ سلطان مجاہد رضا قادری	:	زیر سرپرستی

پیش کش:

اعلیٰ حضرت نیٹ ورک

E-mail: fikrealahazrat@yahoo.com

www.alahazratnetwork.org

برائے:

www.alahazratnetwork.org

بسم الله الرحمن الرحيم
الله رب محمد صلى الله عليه وسلم

مسئلہ:-

از گوٹڈا ملک اودھ مرسلہ مسلمانان گوٹڈا عموماً وحافظ عبدالعزیز صاحب مدرس مدرسہ انجمن اسلامیہ گوٹڈا

ذوالحجہ ۱۳۲۳ھ

زید کا خون جوش کھا رہا ہے۔ بلکہ ایک دو اعضاء جسم کے بگڑ گئے اور احتمال ہوتا ہے کہ آئندہ مزید بگڑ جائیں گے۔ ایسے شخص کی نسبت اطباء حکم دیتے ہیں کہ اس کے ساتھ کھانا پینا اور نشست و برخاست بھی قطعی منع ہے بعض اطباء تو شرع شریف کا بھی ایسا ہی حوالہ دیتے ہیں، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ شرع شریف کا کیا حکم ہے اور ایسے شخص سے اجتناب لازم ہے یا کیا؟ مدلل و مفصل زیب قلم ہو۔

الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله على دين الاسلام والعروة والسلام على افضل هاد
الى سبيل السلام وعلى اله وصحبه الى يوم القيام به نسال
السلام والسلامة عن سيئى الاسقام .

دین اسلام (کی عطاء و بخشش) پر اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہیں اور درود و سلام بھیجتے ہیں اس ہستی پر جو سب سے بہتر اور راہ سلامتی دکھانے والی ہے اور درود و سلام ہو قیامت تک ان کی آل اور ان کے صحابہ پر، اور ہم بری بیماریوں سے سلامتی اور حفاظت کے لئے اسی سے درخواست کرتے ہیں۔

احادیث اس بات میں بظاہر مختلف آئیں، ہم اولاً ان کا ذکر کریں پھر ان کے شرح معنی کی طرف

متوجہ ہوں کہ بتوفیقہ تعالیٰ اس مسئلے میں حق تحقیق ادا ہو۔

حدیث اول:-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

”اتقوا المجذوم کما يتقى الاسد“ رواه البخاری فی التاريخ عن

ابی هريرة رضي الله عنه

جذامی سے بچو جیسا کہ شیر سے بچتے ہیں (امام بخاری نے تاریخ میں حضرت ابو

ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسے روایت کیا ہے۔)

روایت ابن جریر کے لفظ یہ ہیں:-

”فرمن المجذوم كفرار ك من الاسد“ رمز الامام الجلیل

السیوطی حسنہ علی مافی التیسیر او صحته علی مافی فیض

القدير و ذكره باللفظ الاول فی الجامع الصغير و باللفظ الاخير

فی الكبير اقول وفي كليهما ظاهرا ابو هريرة فالحديث عنه فی

صحيح البخاری بلفظ فرمن الجذوم كما تفر من الاسد و سیأتی

والجواب ان العز ویتبع اللفظ لا سيما هو فی البخاری مع

زیادات معنی .

جذامی سے بھاگ جیسا شیر سے بھاگتا ہے۔ امام سیوطی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

) نے ”تیسیر“ میں ہے اس کی تحسین فرمائی اور فی فیض القدير میں اس کی صحت

بیان فرمائی۔ پہلے لفظ سے جامع صغیر میں اس کا ذکر کیا جبکہ آخری لفظ سے جامع

کبیر میں اسے ذکر کیا اقول (میں کہتا ہوں) کہ بظاہر دونوں میں ابو ہریرہ ہے،

صحیح بخاری میں اس کی حدیث (روایت) فرمن المجذوم كما تفر من الاسد کے

الفاظ سے ہے (یعنی جذامی سے بھاگ جس طرح تم شیر سے بھاگتے ہو) عنقریب آئے گی اور جواب یہ ہے کہ نسبت کرنا لفظ کے تابع ہوتا ہے خصوصاً جبکہ وہ بخاری میں معنوی اضافہ کے ساتھ مروی ہے۔

دوسری حدیث میں ہے:-

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

”اتقوا صاحب الجذام کما يتقى السبع اذا هبط واديا فاهبطوا
غیره . رواہ ابن سعد فی الطبقات عن عبد اللہ بن جعفر الطیار
رضی اللہ تعالیٰ عنہما بسند ضعیف .

جذامی سے بچو جیسا درندے سے بچتے ہیں، وہ ایک نالے میں اترے تو تم
دوسرے نالے میں اترو (اس کو ابن سعد نے ”طبقات“ میں عبد اللہ بن جعفر طیار
رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ضعیف سند کے ساتھ بیان کیا ہے)۔

تیسری حدیث:-

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

کلم المجذوم وبينک وبينه قدر رمح او رمحين . رواہ ابن
السنی و ابو نعیم فی الطب عن عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ
تعالیٰ عنہما بسند واہ قلت لکن له شاهد یاتی .

مجزوم سے اس طور پر بات کر کہ تجھ میں اور اس میں ایک دو نیزے کا فاصلہ ہو
(ابن سنی اور ابو نعیم کے طب میں عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے اسے
کمزور سند کے ساتھ روایت کیا ہے میں کہتا ہوں لیکن اس کے شاہد) تائید کنندہ
(آگے آئیگا)

چوتھی حدیث:-

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

لا تدیموا النظر الی المجذومین . رواہ ابن ماجہ وابن جریر قلت
وسندہ حسن صالح.

مجدوموں کی طرف نگاہ جما کر نہ دیکھو (اس کو ابن ماجہ اور ابن جریر نے روایت کیا
ہے میں کہتا ہوں اس کی سند صالح ہے)
دوسری روایت میں ہے۔

”لا تحدوا النظر الی المجذومین . رواہ ابو داؤد الطیالسی
والبیہقی فی السنن بسند حسن ایضا کلہم عن عبد اللہ بن عباس
رضی اللہ تعالیٰ عنہما.

جذامیوں کی طرف پوری نگاہ نہ کرو (اس کو ابو داؤد الطیالسی اور بیہقی نے السنن
میں سند حسن کے ساتھ اسے روایت کیا ہے اور ان سب نے عبد اللہ بن عباس
رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حوالے سے اسے روایت کیا ہے)

پانچویں حدیث:-

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

لا تدیموا النظر الی المجذومین اذا کلمتوہم فلیکن بینکم و
بنیہم قدر رمح . رواہ احمد و ابو یعلیٰ والطبرانی فی الکبیر و
ابن جریر عن فاطمة الصغریٰ عن ابیہا السید الشہید الریحانہ
الا صغر و ابن عساکر عنہا عنہ وعن ابن عباس معارضی اللہ
تعالیٰ عنہم جمعیا.

جذامیوں کی طرف نظر نہ جماؤ ان سے بات کرو تو تم میں اور ان میں ایک ایک نیزے کا فاصلہ ہو (امام احمد، ابو یعلیٰ، اور طبرانی نے ”الکبیر“ میں اور ابن جریر نے سیدہ فاطمہ صغریٰ سے، انھوں نے اپنے والد برزگوار سید شہید ریحانہ اصغر سے اسے روایت کیا ہے، اور ابن عساکر نے ان سے انھوں نے اپنے والد اور ابن عباس سے بھی اسے روایت کیا ہے، اللہ تعالیٰ سب سے راضی ہو۔)

چھٹی حدیث:-

جب وفد ثقیف حاضر بارگاہ اقدس ہوئے اور دست انور پر بیٹھیں کیں ان میں ایک صاحب کو یہ عارضہ تھا حضور اقدس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے فرما بھیجا:-

ارجع فقد بايعناك . رواه ابن ماجة قلت بسند حسن عن رجل من آل الشريد يقال له عمرو عن ابيه رضى الله تعالى عنه، ورواه ابن جرير فسمى ابا الشريد وهو الشريد بن سويد الثقفي ذكر الامام الجليل السيوطي بالتخريج الاول في اول الجامع الكبير وبالأخر في مسانيد جمع الجوامع اقول بل الحديث في صحيح مسلم بلفظ انا قد بايعناك فارجع كما هو لفظ ابن جرير سواء بسواء وقد جربت مثله كثيرا على هذا الامام في كثير من تصانيفه الشريفة كالجوامع الثلاثة والخصائص الكبرى وغيرها وكان مقصوده رحمه الله تعالى ان يجمع لا مثالنا القاصرين ما قلما تصل اليه ايدينا فان اقتصرنا على ما افاد و ذهلنا عن المتداولات فالقصور منا لامنه رحمه الله تعالى.

واپس جاؤ تمہاری بیعت ہوگئی یعنی زبانی کافی ہے مصافحہ نہ ہونا مانع بیعت نہیں)

محدث ابن ماجہ نے اسے روایت کیا ہے۔ میں کہتا ہوں سند حسن کے ساتھ آل شریذ کے ایک شخص سے اسے روایت کیا ہے اور اس کو عمرو کہا جاتا ہے اس نے اپنے باپ سے روایت کی (اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو) اور ابن جریر نے اسے روایت کیا شریذ کے باپ کا نام بھی ذکر کیا یعنی شریذ بن سعید ثقفی۔ جلیل الشان امام، امام سیوطی نے تخریج اول کے ساتھ ”جامع کبیر“ کے اول میں اور دوسری تخریج کے ساتھ ”مسانید جمع الجموع“ میں اس کو ذکر فرمایا ہے۔ میں کہتا ہوں بلکہ صحیح مسلم کی حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ واپس ہو جاؤ بیشک ہم نے تمہیں بیعت کر لیا، جیسا کہ ابن جریر کے الفاظ ہیں، دونوں کے الفاظ یکساں ہیں (کوئی خاص فرق نہیں پایا جاتا) ہم نے اس امام پر ان کی بہت سی تصانیف شریفہ میں اس طرح کی بہت سی مثالیں دیکھی ہیں اور تجربہ کیا ہے جیسا کہ ان کی تینوں جوائع، خصائص کبریٰ اور ان کے علاوہ دوسری تصانیف، پس اس سے امام موصوف رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقصد ان سب چیزوں کو جمع کر دینا ہے (یکجا کرنا) کہ جن تک ہم جیسے کوتاہ نظر لوگوں کے ہاتھوں کی بہت کم رسائی ہوتی ہے۔ پھر اگر ہم نے ان کے افادہ پر اکتفاء کیا اور ہم متداولات کو بھول گئے تو یہ ہمارا قصور ہو گا نہ کہ علامہ موصوف کا، اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔

ساتویں حدیث:-

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک مجذوم کو آتے دیکھا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا۔

یا انس ائن البساط لا یطاء علیہ بقدمہ. رواہ الخطیب عنہ رضی

اللہ عنہ وفي القلب منه شئی واللہ تعالیٰ اعلم

اے انس! پچھونا لٹ دو کہیں یہ اس پر اپنا پاؤں نہ رکھ دے۔ (خطیب نے ان

سے یعنی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسے روایت کیا ہے اور اس سے بچھونا الٹ دینے کے متعلق کچھ بات ہے اور اللہ تعالیٰ ہی (تمام معاملات کو) بہتر جانتا ہے۔

آٹھویں حدیث:-

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کے درمیان وادی عسفان پر گزرے وہاں کچھ لوگ مجذوم پائے آپ مرکب کو تیز چلا کر وہاں سے تشریف لے گئے اور فرمایا:-

ان كان شئى من الداء يعدى فهو هذا. رواه ابن النجار عن ابن عمر رضى الله عنه والمرفوع منه عنه ابن عدى فى الكامل من دون ذكر القصته وهو ضعيف.

اگر کوئی بیماری اڑ کر لگتی ہے تو وہ یہی ہے (ابن نجار نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حوالے سے اسے روایت کیا ہے اور ابن عدی کے نزدیک ”الكامل“ میں واقعہ ذکر کئے بغیر یہ مرفوع ہے اور وہ منہف ہے۔)

نویں حدیث:-

ایک جزامی عورت کعبہ مکرمہ کا طواف کر رہی تھی امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے فرمایا:-

يا امة الله لا تؤذى الناس لو جلست فى بيتك. رواه مالك والخرائطى فى اعتلال القلوب عن ابى ملكية.

اے اللہ کی لونڈی! لوگوں کو ایذا نہ دے اچھا ہو کہ تم اپنے گھر میں بیٹھی رہو، پھر وہ گھر سے نہ نکلیں (امام مالک اور الخرائطی نے اعتلال القلوب میں حضرت ابن ابی ملیکہ سے اسے روایت کیا ہے)

دسویں حدیث:-

ان عمر بن الخطاب قال للمعقيب رضى الله عنه تعالى عنهما
اجلس منى قيد رمح و كان به ذلك الداء و كان بدريا. رواه ابن
جرير عن الزهرى قلت مرسل ولا يصح.
معقيب رضى الله تعالى عنه کہ اہل بدر (مہاجرین سابقین اولین رضى الله عنہم)
سے ہیں انہیں یہ مرض تھا امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضى الله تعالى عنه نے ان
سے فرمایا: مجھ سے ایک نیزے کے فاصلے پر بیٹھئے (امام ابن جریر نے زہری سے
اسے روایت کیا ہے، میں کہتا ہوں کہ یہ مرسل ہے اور صحیح نہیں)
آئندہ حدیثیں اس کے خلاف ہیں۔

گیارہویں حدیث:-

امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضى الله تعالى عنه نے صبح کو کچھ لوگوں کی دعوت کی ان میں معقيب رضى الله
تعالى عنه بھی تھے وہ سب کے ساتھ کھانے میں شریک کیے گئے اور امیر المومنین نے ان سے فرمایا:-
خدمما یریک ومن شقک فلو کان غیرک ما الکلنی فی صحفة
ولکان بینی و بینہ قید رمح . رواه ابن سعد وابن جریر عن فقیہ
المدينة خارجة بن زید رضى الله تعالى عنهما.
اپنے قریب سے اپنی طرف سے لیجئے اگر آپ کے سوا کوئی اور اس مرض کا ہوتا
تو میرے ساتھ ایک رکابی میں نہ کھاتا، اور مجھ میں اور اس میں ایک نیزے کا
فاصلہ ہوتا (ابن سعد اور ابن جریر نے فقیہ مدینہ خارجہ بن زید رضى الله تعالى عنہما
سے اسے روایت کیا ہے)

بارہویں حدیث:-

امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دسترخوان پر شام کو کھانا رکھا گیا لوگ حاضر تھے۔ امیر المومنین برآمد ہوئے کہ ان کے ساتھ کھانا تناول فرمائیں، معیقیب بن ابی فاطمہ دوسری صحابی مہاجر حبشہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:-

ادن فاجلس وایم الله لو كان غيرك به الذي بك لما جلس
منى ادنى من قيد رمح. روياه عنه ذلك في الغداء و هذا في
العشاء.

قریب آئے بیٹھے خدا کی قسم دوسرا ہوتا تو ایک نیزے سے کم فاصلے پر میرے
پاس نہ بیٹھتا (ابن سعد اور ابن جریر نے اس فقیر مدینہ خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ
سے صبح کے کھانے کے بارے میں روایت کیا ہے جبکہ یہ حدیث رات کے
کھانے کے بارے میں مروی ہے۔)

تیرھویں حدیث:-

محمود بن لبید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بعض ساکنان موضع جرش نے بیان کیا کہ عبداللہ بن جعفر
طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث بیان کی کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جذامی سے بچو جیسا کہ
درندے سے بچتے ہیں وہ ایک نالے میں اترے تو تم دوسرے میں اترؤ“ میں نے کہا واللہ! اگر عبداللہ بن جعفر نے یہ
حدیث بیان کی تو غلط نہ کہا۔ جب میں مدینہ طیبہ آیا ان سے ملا اور اس حدیث کا حال پوچھا کہ اہل جرش آپ سے
یوں ناقل تھے، فرمایا:-

كذبوا والله ما حدثهم هذا ولقد رأيت عمر بن الخطاب يؤتى
بالاناء فيه الماء فيعطيه معيقيا فيشرب منه ثم يتناوله عمر من يده
فيضع فمه موضع فمه حتى يشرب منه فعرفت انما يصنع
عمر ذلك فرارا من ان يدخله شئ من العدوى. روياه عن

محمود رضی اللہ تعالیٰ عنہ .

واللہ انہوں نے غلط نقل کی میں نے یہ حدیث ان سے نہ بیان کی میں نے تو امیر المومنین حضرت عمر کو یہ دیکھا ہے کہ پانی ان کے پاس لایا جاتا وہ معقیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیتے معقیب پی کر اپنے ہاتھ سے امیر المومنین کو دیتے امیر المومنین ان کے منہ رکھنے کی جگہ اپنا منہ رکھ کر پانی پیتے میں سمجھتا کہ امیر المومنین یہ اس لئے کرتے ہیں کہ بیماری اڑ کر لگنے کا خطرہ ان کے دل میں نہ آنے پائے۔ (ابن سعد اور ابن جریر دونوں نے محمود بن لبید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسے روایت کیا ہے۔)

ابن سعد کی روایت میں ایک مفید بات زائد ہے کہ عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا امیر المومنین فاروق اعظم جسے طبیب سنتے معقیب رضی اللہ عنہ کے لئے اس سے علاج چاہتے، دو حکیم یمن سے آئے ان سے بھی فرمایا، وہ بولے جاتا رہے یہ تو ہم سے نہیں ہو سکتا ہاں ایسی دوا کر دیں گے کہ بیماری ٹھہر جائے بڑھنے نہ پائے۔ امیر المومنین نے فرمایا:-

عافية عظيمة ان يـمـد، فلا يـزـيد

بڑی تندرستی ہے کہ مرض ٹھہر جائے بڑھنے نہ پائے۔

انہوں نے بڑی دوز عیالیں بھروا کر اندرائن کے تازہ پھل منگوائے جو خربوزے کی شکل اور نہایت تلخ ہوتے ہیں، پھر ہر پھل کے دو دو ٹکڑے کئے اور معقیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لٹا کر دونوں طبیبوں نے ایک ایک تلخ پر ایک ایک ٹکڑا ملنا شروع کر دیا جب وہ ختم ہو گیا دوسرا ٹکڑا لیا یہاں تک کہ معقیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منہ اور ناک سے سبز رنگ کی کڑوی رطوبت نکلنے لگی اس وقت چھوڑ کر دونوں حکیموں نے کہا اب یہ بیماری کبھی ترقی نہ کرے گی۔

عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:-

فواللہ ما زال معقیب متما سکا لا یزید وجعه حتی مات
واللہ! معقیب اس کے بعد ہمیشہ ایک ٹھہری حالت میں رہے تا دم مرگ مرض کی
زیادتی نہ ہوئی۔

چودھویں حدیث:-

امیر المؤمنین صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دربار میں ایک قوم ثقیف کے سفیر حاضر ہوئے، کھانا لایا
گیا وہ لوگ نزدیک آئے مگر ایک صاحب کہ اس مرض میں مبتلا تھے الگ ہو گئے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
قریب آؤ! قریب آئے، فرمایا: کھانا کھاؤ۔ کھانا کھایا۔

حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:-

وجعل ابو بکر یضع یدہ موضع یدہ فیما کل ممایا کل من المجذوم

رواہ ابو بکر بن ابی شیبہ وابن جریر عن القاسم .

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کھانا شروع کیا کہ جہاں سے وہ مجذوم نوالہ

لیتے، وہیں سے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نوالہ لے کر نوش فرماتے (ابوبکر

بن ابی شیبہ اور ابن جریر نے حضرت قاسم بن محمد سے اسے روایت کیا۔)

غالباً یہ وہی مریض ہیں جن سے زبانی بیعت پر اکتفا فرمائی گئی تھی۔

پندرھویں حدیث:-

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخذ بید رجل مجذوم فادخلها

معه فی القصعة قال کل ثقة باللہ وتوکل علی اللہ . رواہ ابو داؤد و

الترمذی وابن ماجہ وعبد بن حمید و ابن خزيمة و ابن ابی

عاصم و ابن السنی فی عمل الیوم واللیتہ و ابو یعلی و ابن حبان

والحاکم فی المستدرک والبهقی فی السنن والضیاء فی

المختارة وابن جرير والا مام الطحاوى كلهم من جابر بن عبد الله رضى الله تعالى عنهما كذا ذكر الامام الجليل الجلال السيوطى فى اول قسمى جامعہ الكبير و زدت انا ابن جرير و الطحاوى قلت وبه علم ان قصر المشكوة على ابن ماجة ليس فى موضعه ثم الحديث سكت عليه و صححه ابن خزيمة وابن حبان والحاكم والضياء وقال المناوى فى التيسير باسناد حسن و تصحيح ابن حبان والحاكم ، قال ابن حجر فيه نظرا ه ، اقول لكن فيه مفضل بن فضالة البصرى بالباء اخو مبارك قال فى التقريب ضعيف وقال الترمذى هذا حديث غريب لا نعرفه الا من حديث يونس بن محمد عن المفضل بن فضالة والمفضل بن فضالة هذا شيخ بصرى والمفضل بن فضالة شيخ آخر مصرى اوثق من هذا و اشهر و روى شعبة هذا الحديث عن حبيب بن الشهيد عن ابن بريدة قال ان عمر اخذ بيد مجذوم "و حديث شعبة اشبه عندي واصح اه واخرج ابن عدى فى الكامل هذا الحديث للمفضل المذكور وقال لم ارفى حديثه انكر من الحديث قال ورواه شعبة عن حبيب عن ابن بريدة ان عمر اخذ بيد مجذوم الحديث اه ولم يذكر الذهبى فى الميزان فى المفضل هذا جرحا مفسرا بل ولا غير مفسر مما يبلغ درجة التضعيف البتة انما نقل عن يحيى انه قال ليس هو بذاك وعن الترمذى ما قد منا ان المصرى اوثق منه وعن النسائى انه قال

ليس بالقوى اقول ولا يخفى عليك البون البين بين ليس بالقوى
وليس بقوى وقد روى عنه ذاك المؤدب الثقة الثبت وعبد
الرحمن بن مهدي ذاك الجبل الشامخ الامام الحافظ قال
البخاري في علي بن عبد الله المعروف بابن المديني ما
استصغرت نفسي الا عنده وقال ابن المديني في عبد الرحمن
هذا ما رأيت اعلم منه وكذلك موسى بن اسمعيل ذاك الثقة
الثبت وجماعة لا جرم حسنه الحافظ واطلاق الصحيح على
الحسن غير مستنكر وقد صححه امام الائمة ابن خزيمة ومن
تبعه وقد وجدت له متابعا فان الامام الاجل ابا جعفر الطحاوي
اخرجه اولاً بالطريق المذكور وقال حدثنا فهد (يعني ابن سليمان
بن يحيى) ثنا ابو بكر بن ابي شيبة ثنا يونس بن محمد الحديث
ثم قال حدثنا ابن مرزوق ثنا محمد بن عبد الله الانصاري ثنا
اسمعيل بن مسلم عن ابن الزبير عن جابر عن رسول الله صلى
الله تعالى عليه وسلم مثله اه قلت وبه يعلم ما في كلام الامام
الترمذي والله تعالى اعلم ثم اعلم انه وقع في الجامع الصغير
لهذا الحديث رمز حب ، ك اقول ولم اره في المجتبى بل ليس
فيه لان مداره على ما ذكر الترمذي على المفضل كما علمت
والمفضل هذا ليس من رواية النسائي اصلاً وقد سقط الحديث
من نسخة سيدي علي المتقي قدس سره ولذا اورده من القسم
الاول للجامع الكبير وقد رمز له فيه د ، ت ، ه الخ وهو الصحيح

الا ان يكون النسائي رواه في الكبرى فبا لنظر اليه يقال ع وهو بعيد ثم الواقع في المشكوة معزيا لابن ماجة ما ذكرنا اعنى كل ثقة بالله وفي جامع الترمذى ثم قال كل بسم الله ثقة بالله وتوكلا عليه ، قال العلامة على القارى اما ترك المؤلف البسملة مع وجودها في الاصول فاما محمولة على رواية منفردة غريبة لابن ماجة او على غفلة من صاحب المشكوة او المصابيح اه اقول سبحن الله هو انما نقله عن ابن ماجة فلو زاد البسملة نسب الى الفضلة ثم لم يتفرد ابن ماجة بترك البسملة بل هو كذلك عند ابى داؤد ايضا رواه عن عثمان بن ابى شيبة عن يونس بن محمد وابن ماجة عن ابى بكر بن ابى شيبة و مجاهد ابن موسى و محمد بن خلف السقلاني كلهم عن يونس بترك البسملة والترمذى عن احمد بن محمد الاشقر و ابراهيم بن يعقوب كلاهما عن يونس مع البسملة فافهم.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جذامی صاحب کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ پیالے میں رکھا اور فرمایا اللہ پر تکیہ ہے اور اللہ پر بھروسہ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، عبد بن حمید، ابن خزیمہ، ابن ابی عاصم، ابن السنی، نے عمل اللیل والیوم میں ابویعلیٰ، ابن حبان، حاکم نے المسجد رک میں، امام بیہقی نے السنن میں، ضیاء نے المختارہ میں ابن جریر اور امام طحاوی ان سب نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے اسے روایت کیا ہے چنانچہ جلیل القدر امام جلال الدین سیوطی نے اپنی جامع کبیر کی پہلی قسم میں اسے ذکر فرمایا اور ابن جریر اور امام طحاوی کا میں نے

اضافہ کیا ہے قلت (میں کہتا ہوں) اس سے معلوم ہوا کہ صاحب مشکوٰۃ کا صرف ابن ماجہ پر اکتفاء کرنا بے محل ہے پھر حدیث مذکور پر سکوت کیا گیا لیکن ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم اور ضیاء نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ علامہ مناوی نے التیسیر میں اسناد حسن اور ابن حبان اور حاکم کی تصحیح کا قول ذکر کیا ہے۔ علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ اس پر اعتراض ہے اھ اقول (میں کہتا ہوں) لیکن اس میں مفضل بن فضالہ بصری (حرف باء کے ساتھ) مبارک کا بھائی ہے چنانچہ القریب میں کہا ہے کہ وہ ضعیف ہے۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے ہم اس کو صرف یونس بن محمد بواسطہ مفضل بن فضالہ پہنچاتے ہیں اور یہ مفضل بن فضالہ شیخ بصری ہے جبکہ اسی نام کا ایک دوسرا مفضل بن فضالہ شیخ مصری ہے جو اس پہلے سے زیادہ ثقہ اور زیادہ مشہور ہے۔ محدث شعبہ نے اس حدیث کو حبیب بن شہید بواسطہ ابن بریدہ روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک جذامی کا ہاتھ پکڑا، میرے نزدیک محدث شعبہ کی روایت زیادہ ثابت اور زیادہ صحیح ہے اھ محدث ابن عدی نے الکامل میں اس حدیث کو مفضل مذکور کے حوالہ سے اس کی تخریج کی اور کہا ہے کہ میں نے اس سے زیادہ منکر کوئی حدیث نہیں دیکھی، پھر اس نے کہا شعبہ نے حبیب سے بواسطہ ابن بریدہ اس حدیث کو روایت کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق نے ایک جذامی کا ہاتھ پکڑا (الحدیث) اھ، علامہ ذہبی نے المیزان میں اس مفضل کے بارے میں کوئی مفصل یا غیر مفصل جرح ذکر نہیں کی بلاشبہ جو درجہ تضعیف تک پہنچتی ہے، اور یحییٰ سے نقل کیا گیا کہ اس نے کہا کہ یہ اس درجہ کی حدیث نہیں، امام ترمذی کے حوالے سے ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ شیخ مصری، شیخ بصری سے زیادہ ثقہ (مستند و معتبر) ہے۔ امام

نسائی سے مروی ہے کہ وہ قوی نہیں۔ اقول (میں کہتا ہوں کہ) تم پر یہ بات پوشیدہ نہیں کہ لیس بالقوی اور لیس بقوی دونوں میں واضح اور کھلا فرق ہے بلا شبہ اس مودب ثقہ ثبت نے اس سے روایت کی ہے۔ عبدالرحمن ابن مہدی جو فن حدیث میں کوہ گراں ہے امام اور حافظ ہے امام بخاری نے علی بن عبداللہ جو ابن المدینی کے نام سے مشہور ہے کے متعلق فرمایا کہ میں نے صرف اس کے سامنے اپنے آپ کو چھوٹا سمجھا۔ چنانچہ ابن المدینی نے عبدالرحمن کے بارے میں فرمایا میں نے اس سے بڑا عالم کوئی نہیں دیکھا۔ اور اسی طرح موسیٰ بن اسمعیل ثقہ ثبت ہے۔ اور ایک جماعت بلا شبہ حافظ نے اس کی تحسین فرمائی۔ اور حسن پر صحیح کا اطلاق غیر معروف نہیں۔ امام الائمہ ابن خزیمہ اور ان کے ہمنوا ائمہ نے اس کی تصحیح فرمائی اور بلا شبہ میں نے اس کا متابع پایا ہے کیونکہ جلیل الشان امام ابو جعفر طحاوی نے اولاً طریق مذکور سے اس کی تخریج فرمائی چنانچہ فرمائی ہم سے فہد یعنی ابن سلیمان بن یحییٰ نے بیان کیا، اس نے کہا ہم سے ابوبکر بن ابی شیبہ نے بیان کیا اس نے کہا ہم سے یونس بن محمد نے بیان کیا، الحدیث۔ پھر فرمایا ہم سے ابن مرزوق نے بیان کیا اس سے محمد بن عبداللہ انصاری نے اس سے اسمعیل بن مسلم نے بیان کیا، اس نے ابوالزبیر سے اس نے جابر سے، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اسی حدیث مذکور کی مثل روایت فرمائی اھ قلت (میں کہتا ہوں کہ) اس سے امام ترمذی کے کلام کا حال معلوم کیا جاسکتا ہے اور درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی سب کچھ اچھی طرح جانتا ہے، پھر جان لیجئے کہ جامع صغیر میں اس حدیث کے لئے یہ رمز (حب، ک) ہے اقول (میں کہتا ہوں کہ) میں نے اس کو مجتبے میں نہیں دیکھا بلکہ اس میں

موجود ہی نہیں اس لئے کہ حدیث مذکور کا مدار جیسا کہ امام ترمذی نے ذکر کیا مفضل پر ہے جیسا کہ آپ جانتے ہیں اور یہ مفضل بالکل رواۃ نسائی میں سے نہیں۔ میرے آقا علی متقی قدس سرہ کے نسخہ سے حدیث مذکور ساقط ہو گئی ہے اس لئے امام سیوطی جامع کبیر کی پہلی قسم میں اسے لائے ہیں اور اس کے لئے یہ رمز (د، ت، ہ) پیش فرمائی الخ۔ اور وہ صحیح ہے ہاں البتہ امام نسائی نے الکبریٰ میں اسے روایت فرمایا تو پھر اس کے پیش نظر (ع) کہا جائے گا لیکن وہ بعید ہے پھر مشکوٰۃ میں ابن ماجہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے وہی الفاظ واقع ہوئے جو ہم نے ذکر کئے ہیں، میری مراد ”کل ثقة باللہ“ کے الفاظ سے ہے۔ اور جامع ترمذی کے الفاظ یہ ہیں، پھر حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کل بسم اللہ ثقة باللہ تو کلا علیہ (اللہ کا نام لے کر کھائیں اللہ تعالیٰ پر اعتماد و بھروسہ کرتے ہوئے) علامہ علی قاری نے فرمایا: مصنف علیہ الرحمۃ کا بسم اللہ چھوڑ دینا باوجودیکہ وہ اصول میں مذکور ہے یا تو اس لئے ہے کہ ابن ماجہ کی منفرد غریب روایت پر محمول ہے یا صاحب مشکوٰۃ یا صاحب مصابیح کی غفلت کا نتیجہ ہے اھ اقول (میں کہتا ہوں) اللہ تعالیٰ (عیوب و نقائص سے) پاک ہے (یعنی بڑا تعجب ہے) اس لئے کہ صاحب مشکوٰۃ نے اسے ابن ماجہ سے نقل فرمایا ہے اگر بسم اللہ شریف کا اضافہ کرتے تو زیادتی کی طرف منسوب ہوتے اور ترک بسم اللہ کے معاملہ میں ابن ماجہ ہی منفرد نہیں بلکہ ابوداؤد کے نسخہ میں بھی یونہی بسم اللہ متروک ہے چنانچہ امام ابوداؤد نے عثمان ابن ابی شیبہ سے بواسطہ یونس بن محمد سے اس کو روایت کیا ہے اور ابن ماجہ نے ابوبکر بن ابی شیبہ، مجاہد بن موسیٰ اور محمد بن خلف عسقلانی کے حوالہ سے اسے روایت کیا ہے، سب نے بواسطہ یونس بسم اللہ کے بغیر روایت کی

اور امام ترمذی نے بواسطہ احمد بن سعید اشقر اور ابراہیم بن یعقوب بحوالہ یونس ”
 بسم اللہ“ سمیت اس کو روایت کیا ہے۔ اس مقام کو سمجھ لیجئے)
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

”کل مع صاحب البلاء تواضعا لربک وایمانا. رواہ الامام
 الاجل الطحاوی عن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قلت ہکذا
 اورده فی الجامع کل باللام والذی رايتہ الامام الطحاوی کن
 بالنون ، واللہ تعالیٰ اعلم“

بلاء والے کے ساتھ کھانا کھا اپنے رب کے لیے تواضع اور اس پر سچے یقین کی
 راہ سے (جلیل القدر امام طحاوی نے حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے
 سے اسے روایت کیا ہے۔ میں کہتا ہوں۔ اسی طرح الجامع میں لفظ کل (حرف
 لام کے ساتھ) ہے لیکن میں نے امام طحاوی کے نسخہ میں کن (حرف نون کے
 ساتھ) دیکھا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سب سے بہتر جانتا ہے۔

سترھویں حدیث:

ایک بی بی نے ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجذوں کے
 حق میں فرماتے:-

فروا منہم کفر اراکم من الاسد
 ان سے ایسا بھاگو جیسا شیر سے بھاگتے ہو
 ام المؤمنین (رضی اللہ عنہا) نے فرمایا:

کلا ولکنہ لا عدوی فمن عادی الاول. رواہ ابن جریر عن نافع

بن القاسم عن جدته فطيمة

ہرگز نہیں، بلکہ یہ فرماتے تھے کہ بیماری اڑ کر نہیں لگتی جسے پہلے ہوئی اسے کس کی اڑ کر لگی (ابن جریر نے حضرت نافع بن قاسم سے بحوالہ اس کی دادی فطیمہ کے اسے روایت کیا ہے)

اقول (میں کہتا ہوں) ام المؤمنین کا یہ انکار اپنے علم کی بناء پر ہے یعنی میرے سامنے ایسا نہ فرمایا بلکہ یوں فرمایا اور ہے یہ کہ دونوں ارشاد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بصحت کافیہ ثابت ہیں۔ اٹھارہویں سے تیس تک حدیث، جلیل عظیم صحیح مشہور بلکہ متواتر جس سے ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے استدلال کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لاعدوی. رواه الاثمة احمد والشيخان وابو داؤد و ابن ماجه
عن ابی ثمرہ و احمد والستة الاالنسائی عن انس و احمد
والشيخان و ابن ماجه الطحاوی عن ابن عمر و احمد و مسلم
والطحاوی عن السائب بن یراء و هم و ابن جریر جمیعاً عن جابر
و احمد والترمذی والطحاوی عن ابن مسعود و احمد و ابن ماجه
و الطحاوی والطبرانی و ابن جریر عن ابن عباس والثلاثة الاخيرة
عن ابی امامة و ابن خزيمة والطحاوی و ابن حبان و ابن جریر عن
سعد بن ابی وقاص و الامام الطحاوی عن ابی سعید الخدری
والشیرازی فی الالقاب والطبرانی فی الکبیر والحاکم و ابو نعیم
فی الحلیة عن عمیر بن سعد الانصاری والطبرانی و ابن عساکر
عن عبد الرحمن بن ابی عمیرة المزنی و ابن جریر عن ام
المؤمنین و ایضا صححه والقاضی محمد ابن عبد الباقي

الانصارى فى جزئه الحديثى عن امير المؤمنين على كرم الله
وجهه الكريم بلفظ لا يعدى سقيم صحيحا، لخصناه عن الجامع
الكبير مع جمع و زيادات

بیماری اڑ کر نہیں لگتی (ائمہ کرام مثلاً امام احمد، بخاری و مسلم، ابوداؤد اور ابن ماجہ اس
کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا نیز امام احمد اور دیگر چھ ائمہ
نے سوائے امام نسائی کے سب نے اس کو روایت کیا ہے اور ان پانچ ائمہ نے
حضرت انس سے روایت کی ہے۔ امام احمد، بخاری، مسلم، ابن ماجہ اور امام طحاوی
نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت فرمائی نیز امام احمد، مسلم
اور طحاوی نے حضرت سائب بن یزید سے روایت کی۔ امام احمد، ترمذی اور
طحاوی نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی۔ امام احمد،
ابن ماجہ، طحاوی، طبرانی اور ابن جریر نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ
عنہما سے روایت کی اور آخری تین ائمہ نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
روایت کی نیز ابن خزیمہ، طحاوی، ابن حبان اور ابن جریر نے حضرت سعد بن ابی
وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی اور امام طحاوی نے حضرت ابوسعید خدری
رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، نیز شیرازی نے القاب میں طبرانی نے الکبیر
میں حاکم اور ابونعیم نے المحلیہ میں حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
روایت کی۔ طبرانی اور ابن عساکر نے حضرت عبدالرحمن ابن ابی عمیرہ مزنی سے
روایت کی، ابن جریر نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے
روایت کر کے اس کی تصحیح فرمایا اور قاضی محمد ابن عبدالباقی انصاری نے اپنے جزء
الحديثی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ان الفاظ سے روایت فرمائی کسی بیمار

سے بیماری اڑ کر کسی تندرست کو نہیں لگتی، یہ ہم نے جامع کبیر سے جمع کیا اور اضافوں کے ساتھ اس کا مخلص پیش کیا ہے۔

اسی حدیث کے متعدد طرق میں وہ جواب قاطع ہر شک و ارتباب ارشاد ہوا جسے ام المومنین نے اپنے استدلال میں روایت فرمایا صحیحین و سنن ابی داؤد و شرح معانی الآثار امام طحاوی وغیرہا میں حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ بیماری اڑ کر نہیں لگتی، ایک بادیہ نشین نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! پھر اونٹوں کا یہ کیا حال ہے وہ ریتی میں ہوتے ہیں جیسے ہرن یعنی صاف شفاف بدن ایک اونٹ خارش والا آ کر ان میں داخل ہوتا ہے جس سے خارش ہو جاتی ہے۔ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”فمن اعدى الاول“

اس پہلے کو کس کی اڑ کر لگی۔

احمد و مسلم و ابوداؤد، وابن ماجہ کے یہاں حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ہے ارشاد فرمایا:۔

”ذَٰلِكُمُ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ اَجْرَبُ الْاَوَّلُ“

یہ تقدیریں باتیں ہیں بھلا! پہلے کو کس نے کھجلی لگا دی۔

یہی ارشاد احادیث مذکورہ عبداللہ بن مسعود و عبداللہ بن عباس و ابوامامہ اور عمیر بن سعد رضی اللہ عنہم میں

مروی ہوا، حدیث کے اخیر میں اس تو ضیح کے ساتھ ہے کہ فرمایا:

الْم تَرَوُا اِلَى الْبَعِيرِ يَكُونُ فِي الصَّحَرَاءِ فَيَصْبَحُ وَفِي كَرَّكَتِهِ اَوْ

فِي مَرَاقِ بَطْنِهِ نَكْتَةٌ مِنْ جَرَبٍ لَمْ تَكُنْ قَبْلَ ذَٰلِكَ فَمِنْ اَعْدَى

الاول۔

کیا دیکھتے نہیں کہ اونٹ جنگل میں ہوتا ہے یعنی الگ تھلگ کہ اس کے پاس کوئی

بیمار اونٹ نہیں صبح کو دیکھو تو اس کے بچ سینے یا پیٹ کے نرم جگہ میں کھجلی کا دانہ

موجود ہے بھلا اس پہلے کو کس کی اڑ کر لگ گئی۔

اقول (میں کہتا ہوں) حاصل ارشاد یہ ہے کہ قطع تسلسل کے لئے ابتداء بغیر دوسرے سے منتقل ہوئے خود اس میں بیماری پیدا ہونے کا ماننا لازم ہے تو حجت قاطعہ سے ثابت ہوا کہ بیماری خود بخود بھی حادث ہو جاتی ہے اور جب یہ مسلم ہے تو دوسرے میں انتقال کے سبب پیدا ہونا محض وہم علیل و ادعائے بے دلیل رہا، جب ایک میں خود پیدا ہو سکتی ہے تو یوں ہی ہزار میں۔

فلا یوسوسن العدو الرجیم فی قلب مریض ان القائلین بالا عداء

یحصرون المرض فیہ حتی یلزمهم اعداء الاول فافہم وثبت۔

مردود و دشمن (شیطان) کہیں مریض کے دل میں ہرگز یہ وسوسہ نہ ڈال دے کہ

تجاوز مرض کے قائل مرض کو اس تعدیہ میں بند تو نہیں کرتے کہ ان پر یہ الزام ہو

کہ پہلے مریض کو مرض کیسے لگ گیا، پس سمجھ لیجئے اور ثابت رہیے۔

اکیسویں حدیث:-

کہ امام احمد و بخاری و مسلم و ابوداؤد و ابن ماجہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی قدر روایت کی کہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

لا یوردن ممرض علی مصح

ہرگز بیمار جانور تندرست جانوروں کے پاس پانی پلانے کو نہ لائے جائیں

بیہقی نے سنن میں یوں مطولاً تخریج کی کہ ارشاد فرمایا:-

لا عدوی ولا یحل الممرض علی المصح ولیحل المصح حیث

شاء فقیل ولم ذلک قال لانه اذی. واللہ تعالیٰ اعلم

بیماری اڑ کر نہیں لگتی اور تندرست جانوروں کے پاس بیمار جانور نہ لائیں اور

تندرست جانور والا جہاں چاہے لے جائے، عرض کی گئی یہ کس لئے؟ فرمایا: اس

لئے کہ اس میں اذیت ہے یعنی لوگ برا مانیں گے، انہیں ایذا ہوگی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

قلت وقد رواه مالک فی مؤطا انه بلغه عن بکیر بن عبد اللہ بن الاشج عن ابن عطیة ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال عدوی ولا امام ولا صفر ولا یحل الممرض علی المصح ولیحلل المصح حیث شاء فقالوا یا رسول اللہ وما ذاک فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انه اذی، ہکذا رواہ یحییٰ مرسلًا و تابعہ جماعة من رواة المؤطا وخالفہم القعنبی و عبد اللہ بن یوسف و ابو مصعب و یحییٰ بن بکیر فجعلوہ عن ابی عطیة عن ابی ہریرة موصولًا غیر ان اہم بکیر قال عن ابی عطیة ولا خلف فهو حدیث اللہ بن عطیة الا شجعی و یکنی ابا عطیة عن ابی ہریرة و انما هو عن ابی ہریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہما افادہ الزرقانی .

میں کہتا ہوں امام مالک نے اپنی مؤطا میں اسے یوں روایت کیا کہ حدیث مذکور انہیں بکیر بن عبد اللہ بن اشج سے بواسطہ ابن عطیہ اس طرح پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسی مرض میں تعدیہ نہیں (کہ مرض اڑ کر دوسرے تندرست آدمی کو لگ جائے) اور الو وغیرہ میں نحوست نہیں، ماہ صفر کی آمد میں نحوست نہیں۔ بیمار جانور کو تندرست جانور کے پاس نہ لائیں بلکہ تندرست جانور کو جہاں چاہے لے جائیں۔ لوگوں نے عرض کیا یہ کیوں یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے ارشاد فرمایا: اس میں اذیت ہے یعنی لوگوں کو ایذا ہوگی۔ یحییٰ نے بطور

ارسال (ذکر سند کے بغیر) اس کو روایت کیا اور مؤطا کے راویوں کی جماعت نے اس کی متابعت کی۔ قعنبنی، عبداللہ بن یوسف، ابو معصب اور یحییٰ بن بکیر نے ان کی مخالفت کی۔ لہذا بواسطہ ابن عطیہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے اسے موصول قرار دیا مگر یہ کہ ابن بکیر نے ابن عطیہ سے کہا اور اس میں کوئی خلاف نہیں اس لئے کہ وہ عبداللہ بن عطیہ اشجعی ہے البتہ اس کی کنیت ابو عطیہ ہے، بعض رواۃ مؤطا کو یہ وہم ہوا کہ انھوں نے اس حدیث کو عن ابی عطیہ عن ابی ہریرہ کی سند سے ذکر کیا حالانکہ یہ حضرت ابو ہریرہ کی سند سے مروی ہے (اللہ تعالیٰ ان دونوں سے راضی ہو) علامہ زرقانی نے اس کا افادہ کیا۔

یہ حدیث دونوں مضامین کی جامع ہے۔

بتیسویں حدیث:-

صحیح جلیل کہ ایسا ہی رنگ جامعین رکھتی ہے صحیح بخاری شریف میں میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے، حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

”لا عدوی و فر من المجذوم کما تفر من الاسد“

”بیماری اڑ کر نہیں لگتی اور جذامی سے بھاگ جیسا شیر سے بھاگتا ہے“

امام جلال الدین سیوطی نے اپنی ”جامع کبیر“ میں انہی الفاظ سے ابن جریر سے منسوب کرتے ہوئے

بیان کیا ہے جو ابوقلابہ سے روای ہیں اور پہلی قسم ان الفاظ سے

”لا عدوی ولا هامته ولا صفر و ضر من المجذوم کما تفر من الاسد“

کوئی بیماری متعدی نہیں ہوتی، نہ کسی چیز میں بدقالی ہے، نہ صفر ہے (یعنی زمانہ

جاہلیت میں لوگ ماہ صفر کو منحوس خیال کرتے تھے، اور مجذوم سے ایسے بھاگ

جیسے شیر سے بھاگتے ہیں)

جس کی نسبت امام احمد اور بخاری کی طرف کی ہے وہ ابو ہریرہ سے راوی ہیں اور جامع صحیح میں بھی ایسا ہی ہے اس سے ہمارا بیان ظاہر ہو گیا کہ انتساب لفظ کا تابع ہوتا ہے اس لئے حدیث ابو قتادہ کو دیکھ کر اس کو اس کے مقابل میں شمار کیا۔ اس لئے اسی کے لفظ میں بیان کی اور یہی بعینہ بخاری کے الفاظ ہیں اگر اس میں کچھ زائد چیزیں ہو تو یہ معنی اس سے نہیں نکل سکتا۔

میں کہتا ہوں، ابو قتادہ کا پورا نام عبداللہ بن زید جرمی ہے وہ ثقہ اور علماء تابعین میں سے ہیں جن کے پاس ارسال (یعنی درمیان سے راوی کا چھوڑ دینا) زیادہ ہے جس سے آگاہ ہونا زیادہ مناسب ہے، پھر علامہ شمس سخاوی نے ”اتقوا ذوی العاہات“ کی حدیث میں یہ معنی بیان کیا ہے کہ جذامی سے شیر کے جیسا بھاگ جیسا کہ حدیث بعض الفاظ اسی معنی میں مرفوعاً بخاری و مسلم ابو ہریرہ سے راوی ہیں، آپ نے ملاحظہ فرمایا جس پر میں نے اس کا مضمون لکھا۔

میں کہتا ہوں، میں نے مسلم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جذامی سے فرمانا کہ تمہاری بیعت ہو گئی لوٹ جاؤ، نہیں دیکھا۔ البتہ بخاری کی حدیث میں ان لفظوں میں ہے، مشکوٰۃ میں صرف انہیں کی طرف انتساب ہے اسی طرح امام نووی شرح مسلم میں حدیث مذکورہ کے تحت بیان کرتے ہیں اور امام سیوطی نے بھی اپنی ”جامع کبیر“ میں بیان کیا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

اب بتوفیق اللہ تعالیٰ تحقیق حکم سنئے، اقول باللہ التوفیق (میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں) احادیث قسم ثانی تو اپنے افادہ میں صاف صریح ہیں کہ بیماری اڑ کر نہیں لگتی، کوئی مرض ایک سے دوسرے کی طرف سرایت نہیں کرتا، کوئی تندرست بیمار کے قریب واختلاط سے بیمار نہیں ہو جاتا، جسے پہلے شروع ہوئی اسے کس کی اڑ کر لگی۔ ان متواتر روشن اور ظاہر ارشادات عالیہ کو سن کر یہ خیال کس طرح گنجائش نہیں پاتا کہ واقع میں تو بیماری اڑ کر لگتی ہے مگر رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہء جاہلیت کا وسوسہ اٹھانے کے لئے مطلقاً اس کی نفی فرمائی ہے۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم واجلہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی عملی کاروائی مجذوموں کو اپنے ساتھ کھلانا، ان کا جھوٹا پانی پینا، ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ سے پکڑ کر برتن میں رکھنا، خاص ان کے کھانے کی جگہ سے نوالہ اٹھا کر کھانا

، جہاں منہ لگا کر انہوں نے پانی پیا بالقصد اسی جگہ منہ رکھ کر خود نوش کرنا، یہ اور بھی واضح کر رہی ہے کہ عدوی یعنی ایک کی بیماری دوسرے کو لگ جانا محض خیال باطل ہے ورنہ اپنے آپ کو بلا کے لئے پیش کرنا شرع ہرگز روا نہیں رکھتی۔

”قال الله تعالى ولا تلقوا بأيديكم الى التهلكه“

(اللہ تعالیٰ نے فرمایا) آپ اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔

رہیں قسم اول کی حدیثیں، وہ اس درجہ عالیہ پر نہیں جس پر احادیث نفی ہیں ان میں اکثر ضعیف ہیں جیسا کہ بیان و اشارہ کر آئے اور بعض غایت درجہ کی حسن ہیں، صرف حدیث اول کی تصحیح ہو سکتی ہے مگر وہی حدیث اس سے اعلیٰ وجہ پر جو صحیح بخاری میں آئی خود اسی میں ابطال عدوی موجود کہ مجذوم سے بھاگنا اور بیماری اڑ کر نہیں لگتی، تو یہ حدیث خود واضح فرما رہی ہے کہ بھاگنے کا حکم اس وسوسہ و اندیشہ کی بنا پر نہیں، معہذا صحت میں اس کا پایہ بھی دیگر احادیث نفی سے گرا ہوا ہے کہ امام بخاری نے مسند روایت نہ کیا بلکہ بطور تعلیق،

بخاری کا قول ہے کہ عفان نے فرمایا، عفان اگرچہ شیوخ بخاری میں سے ہیں لیکن ان کی اکثر روایتیں کسی واسطہ سے بیان کرتے ہیں جیسا کہ فتح الباری میں ہے کہ حدیث جس پر وہ تمام کتابوں میں عامل ہیں اس کے بجائے قال کہنے کی صرف ایک ہی وجہ ہے وہ یہ ہے کہ اگر ابن عباس کی روایت کے مطابق وصل ہو تو اس میں اختلاف نہیں وہ متفق علیہ کی طرح ہے۔

محقق نے مطلقاً ”فتح القدیر“ باب العنین میں ایقان سے کہا ہے کہ بخاری نے اس کو بطور تعلیق روایت کیا۔ پھر آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ صرف پہلی حدیث پر صحت کا حکم کیوں لگایا گیا ”انا قد بايعناك فارجع“ والی حدیث میں ایسا نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں، اس کو یوں راوی ہیں:-

”حدثنا يحيى بن يحيى انا هشيم و ثنا ابو بكر بن ابي شيبة نا

شريك بن عبد الله و هشيم بن بشير عن يعلى بن عطاء عن

عمرو بن الشرید عن ابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اور ابن ماجہ نے اس طرح بیان کی

”حدثنا عمرو بن رافع ثنا هشیم عن یعلیٰ بن عطاء الخ“

جب کہ ہشیم و شریک دونوں مدلس ہیں (مدلس کا مطلب یہ ہے کہ محدث حدیث کی روایت میں اپنے راوی کا نام نہ لے بلکہ اس سے اوپر کے راوی کا نام لے اور ایسا لفظ اختیار کرے جس میں سماع کا احتمال ہو) دونوں نے عن عن سے روایت کی ہے۔

تقریب میں ہے ہشیم بن بشر ثقہ ہیں جن کی بہت تدلیس اور ارسال خفی نمایاں ہے اور شریک کے بارے میں یوں گویا ہے ”سچے ہیں“ لیکن خطائیں بہت واقع ہوئیں انکا حافظہ کوفہ کے قاضی بننے کے بعد سے بدل گیا ہے اور تہذیب التہذیب میں ہے عبدالحق اشعری نے فرمایا کہ وہ تدلیس کیا کرتے تھے اور ابن الفطان کا قول ہے کہ وہ تدلیس میں مشہور ہے۔ آگے یہ فرمایا کہ مسلم انکی روایت متابعات میں کرتے ہیں، جیسا کہ ہشیم کی متابعت میں اس کو بیان کیا لیکن یہ نظریہ کہ صحیحین تصحیح السین کا عن سے بیان کرنا سماع پر محمول ہے میرے خیال میں غیر معقول تقلید ہے، ہم کو حسن ظن سے انکار نہیں کیونکہ قیاس حقیقت کی طرح نہیں۔

کوئی حدیث ثبوت عدویٰ میں نص نہیں یہ تو متواتر حدیثوں میں فرمایا کہ بیماری اڑ کر نہیں لگتی اور یہ ایک حدیث میں بھی نہیں آیا کہ عادی طور پر اڑ کر لگ جاتی ہے۔ حدیث چہارم کہ جذامیوں کو نظر جما کر نہ دیکھو، ان کی طرف تیز نگاہ نہ کرو، صاف یہ محمل رکھتی ہے کہ ادھر زیادہ دیکھنے سے تمہیں گھن آئیگی، نفرت پیدا ہوگی، ان مصیبت زدوں کو حقیر سمجھو گے، ایک تو یہ خود حضرت عزت کو پسند نہیں پھر اس سے ان گرفتار ان بلا کو ناحق ایذا پہنچے گی اور یہ روا نہیں۔

علامہ مناوی ”تیسیر“ شرح ”جامع صغیر“ میں فرماتے ہیں۔

”لا تحدوا النظر لانه اذی ان لا تعافوهم فتزدروهم او

تحتقروهم“

”تیز نگاہ نہ کرو کیونکہ اس سے اذیت پہنچے گی اگر ان کو عافیت نہیں ہوگی تو تم حقیر سمجھو گے۔“

علامہ فتنی ”مجمع بحار الانوار“ میں فرماتے ہیں۔

”لا تدیموا النظر الی المجدومین لانه اذا انامه حقره و تاذی به المجدوم“

”جذامیوں کو نظر جما کر نہ دیکھو! کیونکہ زیادہ دیکھنے سے نفرت پیدا ہوگی جس میں جذامی کو ناحق ایذا پہنچے گی“

حدیث ششم میں کہ ان ثقفی (صحابی) سے فرمایا پلٹ جاؤ، تمہاری بیعت ہو گئی متعدد وجوہ ہیں:-

- (1) انہیں مجلس اقدس میں نہ بلایا کہ حاضرین دیکھ کر حقیر نہ سمجھیں۔
- (2) حصار میں کسی کو دیکھ کر یہ خیال پیدا نہ ہو کہ ہم ان سے بہتر ہیں، خود بنی اس مرض سے بھی بدتر بیماری ہے
- (3) مریض اہل مجمع کو دیکھ کر غمگین نہ ہو کہ یہ سب ایسے چین میں ہیں اور وہ بلا میں، تو اس کے قلب میں تقدیر کی شکایت پیدا ہوگی
- (4) حاضرین کا لحاظ خاطر فرمایا کہ عرب بلکہ عرب و عجم جمہور بنی آدم بالطبع ایسے مریض کی قربت سے برامانتے ہیں، نفرت لاتے ہیں۔
- (5) میں کہتا ہوں، ممکن کہ خاطر مریض کا لحاظ فرمایا کہ ایسا مریض خصوصاٰ نوبتلا خصوصاٰ ذی وجاہت مجمع میں آتے ہوئے شرماتا ہے۔
- (6) میں کہتا ہوں، ممکن کہ مریض رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں سے رطوبت نکلتی تھی، تو نہ چاہا کہ مصافحہ فرمائیں۔

غرض واقعہ حال، محل صد گونہ احتمال ہوتا ہے حجت عام نہیں ہو سکتی مجمع البحار میں ہے۔

”ارجع فقد بايعناك انما رده لئلا ينظر اليه اصحابه صلى الله عليه وسلم فيزدرونه ويرون لا نفسهم عليه فضلا فيدخلهم العجب ولئلا يحزن المجذوم برويته النبي صلى الله عليه وسلم اصحابه وما فضلوا به فيقل شكره على بلاء الله تعالى“

”لوٹ جاؤ تمہاری بیعت ہوگئی کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ان کو دیکھ کر حقیر نہ سمجھیں اور ان پر اپنے لئے کسی قسم کی برتری خیال کریں جس سے ان کے اندر خود پسندی آجائے گی۔ اور اس لئے بھی جذامی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام پر اللہ تعالیٰ کے فضل (صحت) کو دیکھ کر رنجیدہ نہ ہو جاتے جس سے اللہ کی طرف سے مصیبت پر ان کا شکر کم ہو جائے“

حدیث ہفتم کہ پھوس لیٹنے کو فرمایا۔ میں کہتا ہوں، ممکن کہ اس لئے فرمایا ہو کہ مریض کے پاؤں سے رطوبت نہ ٹپکے ”حدیث ہشتم کہ اگر کوئی بیماری اڑ کر لگتی ہو تو جذام ہے“ اگر کالفظ خود بتاتا ہے۔ لفظ ”ان“ اگر کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ (بیماری اڑ کر لگنا) اس کا کوئی وجود نہیں۔ میں کہتا ہوں، اس کو شک پر محمول کرنا مناسب نہیں، حقیقت میں ہم کو یہ کہنا چاہیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اگر تمہاری کسی دوا میں بہتری ہے تو پچھنا لگانے یا شہد پینے میں ہے“ روایت کیا اس کو احمد شیعین (بخاری و مسلم) اور نسائی نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ شہد میں خوبی ہے جیسا کہ احادیث قولی و فعلی سے ثابت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے اگر تقدیر سے پہلے کوئی چیز ہوتی تو وہ نظر ہوتی (یعنی نظر لگنا) اس کی روایت احمد، مسلم، ترمذی، اور ابن ماجہ نے صحیح سند سے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہما سے کی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ تقدیر سے پہلے کوئی چیز نہیں۔

اب جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں دونوں صورتیں موجود ہیں اس سے احتمال پیدا ہو گیا لہذا اس سے دلیل دینا باطل۔

رہا اس وادی سے جلد گزر جانا۔ میں کہتا ہوں، اس میں وہ پانچ وجوہ پیشین جاگزیں جو حدیث ششم کے بارے میں گزریں، فافہم۔ حدیث نہم کہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان بی بی کو منع فرمایا۔ میں کہتا ہوں، وہاں بھی چار وجوہ اولین جاری ”کمالا یخفی بادنہی کامل“ حدیث یازدہم و دوازدہم کا فقرہ کہ امیر المومنین نے معقیب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرمایا دوسرا ہوتا تو مجھ سے ایک نیزے کے فاصلے پر بیٹھتا۔

میں کہتا ہوں، انہیں احادیث میں ہے کہ ان کو اپنے ساتھ کھلایا، اگر یہ امر عدویٰ کا سبب عادی ہوتا تو اہل فضل کی خاطر اپنے آپ کو معرض بلاء میں ڈالنا روانہ ہوتا اور تیرہویں حدیث نے تو خوب ظاہر کر دیا کہ امیر المومنین خیال عدویٰ کی بیخ کنی فرماتے تھے۔ نری خاطر منظور تھی اس شدت مبالغہ کی کیا حاجت ہوتی کہ پانی انہیں پلا کر ان کے ساتھ سے لے خاص ان کے منہ رکھنے کی جگہ پر منہ لگا کر خود پیتے۔ معلوم ہوا کہ عدویٰ بے اصل ہے، تو اس فرمانے کا منشاء مثلاً یہ ہوا کہ ایسے مریض سے تشرف انسان کا ایک طبعی امر ہے آپ کا فضل اس پر حامل ہے وہ تشرف مضحل و زائل ہو گیا، دوسرا ہوتا تو ایسا نہ ہوتا، حدیث سی و یکم (31) کہ تندرست جانوروں کے پاس بیمار نہ لائے جائیں۔ میں کہتا ہوں، اس کی وجہ خود حدیث موطائے مالک، و سنن بیہقی نے ظاہر کر دی کہ صرف لوگوں کے برا ماننے کے لحاظ سے ہے ورنہ بیماری اڑ کر نہیں لگتی ولہذا ہم نے اس حدیث کو احادیث قسم اول میں شمار بھی نہ کیا، اب نہ رہیں مگر پانچ حدیثیں اول، دوم، سوم، پنجم، دہم۔

میں کہتا ہوں، قطع نظر اس سے کہ ان میں دوم کی سند وہی اور سوم کی خود حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن کی طرف وہ نسبت کی جاتی تھی تکذیب کی اور دہم کہ امیر المومنین سے ایک صحابی جلیل القدر منجملہ اصحاب بدر و مہاجرین سابقین اولین رضی اللہ عنہ اجمعین کی نسبت اس کا صدور سخت مستبعد تھا متعدد حدیثوں نے اس کا خلاف ثابت کر دیا جیسا کہ امیر المومنین سے مظنون تھا۔

کما سبق ذلک کله فہذا منقطع باطنا و معلول غیر مقبول
جیسا کہ پوری بحث گذری لہذا یہ روایت در حقیقت منقطع علت پر مشتمل اور غیر مقبول ہے۔

ان میں کسی کا حاصل حدیث اول کے حاصل سے کچھ زائد نہیں اور ان میں وہی صحیح یا حسن ہے تو اسی کی طرف توجہ کافی۔ علماء کے متعدد طریقے ہیں اول اس کے ثبوت میں کلام یہ طریقہ ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہے جیسا کہ حدیث ہفدہم (17) میں گزرا۔

میں کہتا ہوں، قرآن عظیم یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سن کر جو علم یقین حاصل ہو اس کے خلاف وارد احادیث کے بارے میں حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہ کا مشہور طریقہ یہ ہے کہ ان کے راوی کو سہواور سننے و سمجھنے میں وہم کی طرف منسوب کرتی ہیں جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث کے بارے میں کہ میت کو اس کے بعض گھروالے کے رونے سے عذاب ہوتا ہے، فرماتی ہے کہ اللہ تعالیٰ عمر پر رحم فرمائے، بخدا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہی نہیں ہے کہ میت کو اس کے گھروالے کے رونے سے عذاب ہوتا ہے، البتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کافر کو اس کے گھروالوں کے رونے سے عذاب میں اضافہ کرتا ہے اور فرماتی ہیں کہ تمہارے لئے قرآن کی یہ آیت کافی ہے ”ان لا تزدوا ذرۃ و ذرۃ اخری“ کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔

اور فرماتی ہیں کہ اللہ ابو عبد الرحمن یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مغفرت فرمائے کیونکہ اپنے والد کی طرح انہوں نے بھی یہ حدیث روایت کی۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے جھوٹ نہیں بیان کیا بلکہ ان سے بھول ہو گئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزرا ایک یہودی عورت کی قبر کے پاس سے ہوا جس پر اس کے گھروالے آہ و بکا کر رہے تھے تو آپ نے فرمایا وہ لوگ اس پر رو رہے ہیں جبکہ اس کو قبر میں عذاب دیا جا رہا ہے اس کی بھی روایت شیخین نے کی، بخدا! تم یہ حدیث جھوٹے لوگوں سے بیان نہیں کرتے ہو، بلکہ سننے میں غلطی ہوتی ہے تمہارے لیے تو قرآن کی یہ آیت جواب ہے ”لا تزدوا ذرۃ و ذرۃ اخری“ کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا، البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ کافر کو اس کے گھروالوں کی کچھ آہ بکا سے عذاب میں اضافہ فرماتا ہے، اس کی روایت امام طحاوی نے کی۔

دونوں یعنی امیر المؤمنین عمر فاروق اور ان کے فرزند عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث کے بارے میں

حضرت صدیقہ یہ بھی فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے مردوں کے بارے میں فرمایا ”بخدا ! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں جو کہہ رہا ہوں تم ان سے زیادہ نہیں سنتے“ اس کے بھی وہ دونوں راوی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جو میں ان لوگوں سے کہتا تھا اس کو اب حق جان رہے ہیں“ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے تم مردوں کو نہیں سنا سکتے اس کی روایت بخاری نے کی، جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”بدشگون عورت، گھر اور گھوڑے میں ہے“ حضرت صدیقہ کو جب ملی تو سخت برہم ہوئیں اور فرمائیں، اس کی ذات کی قسم جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن اتارا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا، البتہ انہوں نے یہ فرمایا کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ اس سے بدقالی لیتے تھے اس کی روایت طحاوی اور ابن جریر نے فتاویٰ سے کی وہ ابو حسان سے، حاکم اور بیہقی نے بھی اس کی روایت کی۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ حضرت صدیقہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو علم ملا تھا وہ اس کے برخلاف تھا چنانچہ وہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بدقالی سے بغض رکھتے اور اس کو ناپسند فرماتے اس کی روایت امام طحاوی نے کی، یہ بھی روایت ہے کہ حضرت عائشہ سے عرض کیا گیا کہ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ تم میں سے کسی کا پیٹ پیپ سے بھرنا شعر کے بھرنے سے بہتر ہے تو جواب میں حضرت صدیقہ فرماتی ہیں کہ اللہ ابو ہریرہ پر رحم کرے انہوں نے حدیث کا ابتدائی حصہ یاد رکھا اور آخری حصہ یاد نہیں رکھا کہ مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو بیان کرتے تھے تو آپ نے فرمایا: تم میں سے کسی کا پیٹ پیپ سے بھرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کے اشعار سے بہتر ہے، وہ اس وجہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنیں کہ شعر حکمت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عبد اللہ بن روحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شعر کی مثال دیتے ہوئے سنیں۔

بسا اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ مصرع کہتے:

”وَبَاتِك بـَا لَا خَبَار مِّن لَّم تَزُود“

زمانہ تمہارے پاس کچھ ایسی خبریں لائے گا جس کے لئے تم کچھ تیار نہیں رکھتے۔

طحاوی نے پوری روایت اسی طرح کی۔ حضرت صدیقہ یہاں ایسا اس لئے فرماتیں کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم سے سنی ہیں کہ بیماری اڑ کر نہیں لگتی، پھر پہلے کو کس کی اڑ کر لگی، اس کا سبب وہی ہے جس کا ہم نے اشارہ کیا کہ خبر واحد علم یقین کے معارض نہیں ہو سکتی، پھر جو علامہ ابو لفرج ابن الجوزی نے تین چیزوں میں نحوست والی حدیث کے بارے میں بیان کیا کہ حضرت عائشہ اس حدیث کے راوی پر برہم ہوتیں اور فرماتیں کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ کہتے تھے کہ بد فالی عورت گھر اور چوپایہ میں ہے۔ یہ ایسی صریح حدیث کا رد ہے جس کو لوگ ثقہ لوگوں نے روایت کیا جیسا کہ امام عینی نے ”عمدة القاری“ میں نقل کیا ہے، دراصل ابن الجوزی کو اس نکتہ سے غفلت ہو گئی جس کو حضرت صدیقہ نے بیان کیا پھر ان کا یہ کہنا کہ حضرت عائشہ کا اشارہ ہے کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ کہتے تھے الخ۔ میں کہتا ہوں، حضرت صدیقہ کا ارشاد نہیں بلکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا جیسا کہ طحاوی کی روایت ہے اور ہم سب کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے زیادہ ثقہ کون ہو سکتا ہے۔

دوم:

مہذوم وغیرہ سے بھاگنے کی حدیثیں منسوخ ہیں۔ احادیث نفی عدویٰ نے انہیں نسخ کر دیا۔ عمدة القاری شرح صحیح بخاری میں امام قاضی عیاض سے قول، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور سلف کی ایک جماعت مہذوم کے ساتھ کھانا کھانے کے قائل ہیں اور یہ کہ اس سے بچنے کا حکم منسوخ ہے، اس کے قائلین میں عیسیٰ بن دینار مالکی ہیں۔ امام نووی نے اس کی تردید دو صورتوں سے کی، ایک تو یہ کہ نسخ کے لئے یہ شرط ہے کہ دو احادیث کا جمع ہونا محال ہو، جب کہ محال نہیں ہے دونوں جمع کر سکتے ہیں، دوسرا یہ کہ نسخ کے لئے تاریخ کا جاننا شرط ہے (کہ کون سی حدیث پہلے کی ہے اور کون سی بعد کی ہے) وہ یہاں نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں، قاضی عیاض کا مضمون یہ ہے کہ امیر المؤمنین اس کو منسوخ سمجھتے تھے اگر یہ روایت ہے جیسا کہ ظاہری لفظ ہے تو اس پر دو صورتوں میں سے ایک بھی وارد نہیں ہوتی اس لئے کہ امیر المؤمنین اس کے قائل ہیں، تو صرف جاننے کی وجہ سے اس کے بعد جمع کا کوئی جواز نہیں ہے۔ اگر بہت ہی خفیف صورت میں ممکن ہو تو اس وقت جب کہ قاضی عیاض نے ظنی طور پر بیان کیا ہو، ایسی صورت میں دونوں صورتیں زیادہ مناسب ہوگی۔

میں کہتا ہوں، ہم نے بتیسویں حدیث میں روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کلام کو

ایک ہی ترکیب میں جمع کیا ہے تو وہ کہاں ہو سکتا ہے خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ”لا عدوی“ ”فر من المجدوم“ سے پہلے ہے اور ایسا نہیں ہو سکتا کہ شروع کا کلام آخری کلام کو منسوخ کر دے۔
سوم:-

بھاگنے کا حکم اس لئے ہے کہ وہاں ٹھہریں گے تو ان پر نظر پڑے گی اور اس سے وہ مفاسد عجب و تحقیر و ایذا پیدا ہوں گے جن کا ذکر گزرا، ”عمدة القاری“ میں ہے:-

”قال بعضهم الخبر صحيح وامره بالفرار منه لنهي عن النظر اليه
اه مافى العيني اقول ولا يحتمله الحديث الخامس و نظر وه
مما فيه الا مران يكو نوافيهم رمح او رمحين“
”بعض محدثین نے کہا کہ حدیث صحیح ہے اس سے بھاگنے کا حکم اس لئے ہے کہ
اس کو نہ دیکھے جو عینی ہے میرے خیال میں پانچویں اور اس طرح کی احادیث
جس میں یہ حکم ہے کہ ان میں ایک دو نیزے کا فاصلہ ہو اس تاویل کی گنجائش نہیں
رکھتی“

چہارم:-

امر فرار اس لئے ہے کہ اس کی بدبو وغیرہ سیت ایذا نہ پائیں شرح صحیح مسلم للإمام النووی میں ہے۔

”قيل النهى ليس للعدوى بل التاذى بالرائحة الكريهة ونحوها اه
اقول و هذا ظاهر البعد، فافهم“

”ایک قول یہ ہے کہ بیماری اڑ کر لگنے کی وجہ سے منع نہیں کیا گیا بلکہ بدبو وغیرہ
سے ایذا پیدا ہوگی اس لئے منع کیا گیا، میں کہتا ہوں یہ سب سے دور کی تاویل
ہے“

پنجم:-

قول مشہور و مذہب جمہور و مشرب منصور کہ دوری کو فرار کا حکم اس لئے ہے کہ اگر قرب و اختلاط رہا اور معاذ اللہ قضاء و قدر سے کچھ مرض اسے بھی حادث ہو گیا تو ابلیس لعین اسکے دل میں وسوسہ ڈالے گا کہ دیکھ بیماری اڑ کر لگ گئی اول یہ تو ایک امر باطل کا اعتقاد ہو گا اسی قدر فساد کے لئے کیا کم تھا پھر متواتر حدیثوں میں سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرمایا کہ بیماری اڑ کر نہیں لگتی یہ وسوسہ دل میں جناسخت خطرناک و مائل ہو گا، لہذا ضعیف الیقین لوگوں کو اپنا دین بچانے کے لئے دوری بہتر ہے۔ ہاں! کامل الایمان وہ کرے جو صدیق اکبر، فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کیا اور کس قدر مبالغہ کے ساتھ کیا۔ اگر عیاذ باللہ کچھ حادث ہونا ان کے خواب میں بھی خیال نہ گزرتا۔ کہ یہ عدوئے باطلہ سے پیدا ہوا ان کے دلوں میں کوہ گراں شکوہ سے زیادہ مستقر تھا کہ ”لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا“ بے تقدیر الہی کچھ نہ ہو سکے گا اسی طرف قول و فعل حضور اقدس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ اپنے ساتھ کھلایا اور ”کل ثقة باللہ و تو کلا علیہ“ فرمایا امام اجل، امین، امام الفقہاء، و امام المحدثین و امام اہل البحر و التحدیل، و امام اہل التصحیح و التعلیل، حدیث و فقہ دونوں کے حاوی سیدنا امام ابو جعفر طحاوی شرح معانی الآثار شریف میں بارہ نفی عدویٰ احادیث سعد بن مالک، علی مرتضیٰ و عبد اللہ بن عباس، و ابی ہریرہ، عبد اللہ بن مسعود، عبد اللہ بن عمر، جابر بن عبد اللہ، انس بن مالک، سائب بن یزید و ابی ذر رضی اللہ عنہم روایت کر کے فرماتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں نفی فرمائی ہے اور فرمایا کہ پہلے کو کس کی اڑ کر لگی یعنی جب پہلے کو اللہ عز و جل کی تقدیر سے ہوئی تو دوسرے کو بھی ایسا ہی ہے اب اگر کوئی عدوی کا قائل یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی یہ حدیث کہ بیمار کو تندرست کے پاس نہ لایا جائے اس کے خلاف ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ نے قرار دیا تو اس میں تضاد نہیں البتہ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لا عدوی جس سے بیماری اڑ کر لگنے کی نفی ہے ہم اس سے ہمیشہ کی نفی قرار دیتے ہیں اور حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیمار تندرست کے پاس نہ لایا جائے اس کو ہم خوف پر محمول کرتے ہیں اگر اس کے پاس لانے سے اللہ کی تقدیر سے اس کو بیماری ہو جائے جیسا کہ پہلے کو ہوئی تو لوگ یہ کہیں گے کہ پہلے کی بیماری اڑ کر اس کو لگ گئی اس لئے تندرست کو

بیمار کے پاس اس طرح کے خدشہ سے لے جانے کو ناپسند سمجھا۔

ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان احادیث میں یہ بھی روایت کی کہ آپ نے مجذوم کے ساتھ پیالہ میں ہاتھ رکھا۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل بھی اس بات کی دلیل ہے کہ عدویٰ نہیں ہے، اس لئے اگر عدویٰ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا فعل نہیں کرتے جس سے اس کا اندیشہ ہوتا، کیونکہ ایسا کرنے میں ہلاکت کو دعوت دینا ہے جب کہ اللہ عزوجل نے اس سے منع فرمایا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:-

”لا تقتلوا انفسکم“

اپنے آپ کو ہلاکت میں مت کرو

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزرا ایک جھکی ہوئی عمارت کے پاس سے ہوا تو آپ نے جلدی کی تو جب آپ جھکی ہوئی عمارت کے پاس موت کے اندیشہ سے گزرنے میں جلدی فرمائے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ ایسا فعل انجام دیں جس سے بیماری لگنے کا اندیشہ ہو، ان احادیث کا ہمارے نزدیک یہی معنی ہے۔ حقیقی مراد عزوجل بہتر جانتا ہے۔

دونوں حدیثوں کے درمیان مطابقت جیسا کہ ابن بطلال نے کہا وہ یہ ہے کہ لا عدویٰ سے یہ بتانا ہے کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں، اب جہاں تک اس کے قریب نہ جانے کا حکم ہے تو وہ اس لئے ہے کہ تندرست کو یہ شک نہ ہو جائے کہ بیمار کو اس کے پاس آنے سے بیماری ہو گئی ہے جس سے عدویٰ کو صحیح قرار دینا لازم ہوتا ہے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو باطل قرار دیا۔

”ما ثبت بالسنة“ میں جامع الاصول سے ہے (کہا جاتا ہے کہ بیماری اڑ کر لگ گئی جب ایک

بھی بیماری کسی کو قربت ہم نشینی یا ایک ساتھ کھانے اور رہنے کی وجہ سے ہو جائے، جب کہ اسلام نے اس کو باطل قرار دیا ہے۔

اسی میں ”مشارق الانوار امام قاضی عیاض“ میں ہے (عدویٰ جس کا اعتقاد جاہلیت کے لوگ رکھتے ہیں اس لئے کہتے ہیں کہ کسی کو بیماری بیماری ایسے شخص کو لگ جائے جو اس کے ہم نشین و قریب ہو، جس کو

یہ بیماری نہ ہو شریعت نے اس کی نفی کر دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد لا عدویٰ اس سے نہیں اور اعتقاد کا احتمال رکھتا ہے اور نفی اسکی حقیقت سے ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ایک شے دوسری شے کو اڑ کر نہیں لگتی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ”پہلے کوس کی اڑ کر لگی“ دونوں کا مفہوم ہی شریعت ہے اسی میں ”نزہۃ النظر للحافظ ابن حجر“ سے ہے جمع کرنے میں یہ کہنا بہتر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نفی عدویٰ اپنے عموم پر باقی ہے اور حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ”ایک شے دوسری شے کو اڑ کر نہیں لگتی“ بھی صحیح ہے اور آپ کا ارشاد ”پہلے کوس کی اڑ کر لگی“ یعنی اللہ تعالیٰ نے دوسرے شخص میں ابتدا ویسی ہی بیماری رکھی اب جہاں تک مجذوم سے بھاگنے کا تعلق ہے تو وہ اسباب کا سد باب ہے تاکہ قریب جانے والے کو وہ بیماری اگر من جانب اللہ ابتدا ہو جائے عدویٰ کی وجہ سے نہیں، جس کی نفی کی گئی ہے تو یہ وہم ہو جائے گا کہ اس سے ملنے کی وجہ سے ایسا ہوا جس سے بیماری اڑ کر لگنے کو صحیح سمجھنے لگے گا۔ اس طرح حرج میں پڑ جائے گا (اس لئے مادی طور پر بچنے کا حکم دیا) واللہ تعالیٰ اعلم۔

شرح مصابیح امام تورپشتی و شرح مشکوٰۃ علامہ طیبی و مرقاۃ علامہ علی قاری شرح موطا للعلامہ محمد الزرقانی وغیرہا میں ہے (زرقانی کی عبارت ہے: اکثر اس بات کے قائل ہیں کہ اس کی نفی سے مراد اس کو باطل قرار دینا ہے جیسا کہ ظاہر احادیث اس پر دلالت کر رہی ہیں) شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی نے ”اشعۃ اللمعات“ میں یہی فرمایا ہے کہ (عدویٰ کی نفی اور اس کے ابطال سے مراد مطلقاً ہے جیسا کہ ظاہر حدیث اس پر دلالت کر رہا ہے۔ اسی ”اشعۃ اللمعات“ میں ہے۔

زمانہ جاہلیت کا یہ عقیدہ تھا کہ بیمار کے قریب بیٹھنے یا اس کے ساتھ کھانے سے بیماری اس میں داخل ہو جاتی ہے لوگوں کا خیال ہے کہ اطباء کے مطابق سات بیماریاں اڑ کر لگتی ہیں۔ جذام، کھجلی، چچک، خسری، منہ اور بغلوں کی بدبو، آشوب چشم، اور وبائی بیماریاں، تو شارع علیہ السلام نے اس کی نفی فرماتے ہوئے اس کو باطل قرار دیا ہے یعنی ”اڑ کر نہیں لگتی“ بلکہ قادر مطلق نے جس طرح اس کو بیمار کیا اسی طرح اس کو بھی کیا۔

بالجملہ! ان پانچوں اقوال ہر عدویٰ باطل محض ہے، یہی مذہب ہے حضرت افضل الاولیاء الاولین و

الاخرین سیدنا صدیق اکبر، حضرت فاروق اعظم، حضرت سلیمان فارسی، حضرت ام المومنین صدیقہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجلہ صحابہ کرام کا اور اسی کو اختیار فرمایا امام اجل طحاوی سید الحنفیہ، امام یحییٰ بن یحییٰ مالکی، امام عیسیٰ بن دینار مالکی، امام ابن بطلال ابوالحسن علی بن خلف مغربی مالکی و امام ابن حجر عسقلانی شافعی و علامہ طاہر حنفی و شیخ محقق عبدالحق محدث حنفی و غیرہم جمہور علما کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے ”عمدة القاری“ میں طبری سے ہے عبداللہ بن عمرو سلیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم مجذومین کے لئے کھانا پینا فرماتے تھے اور ان کے ساتھ کھاتے اور ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہوا کہ ہمارے ایک غلام آزاد شدہ کو یہ مرض ہو گیا تھا وہ میرے برتنوں میں کھاتا، میرے پیالوں میں پیتا، میرے پکھونوں پر سوتا۔

زرقانی علی الموطا میں زیر حدیث ”انہ اذی“ فرمایا، (یحییٰ بن یحییٰ فرماتے ہیں کہ میں نے سنا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسے آدمی کے بارے میں ہے جس کو جذام ہو جائے تو اس کو تندرست کے پاس نہیں جانا چاہیے، اس سے اذیت ہوگی، کیونکہ اگرچہ وہ اڑ کر نہیں لگتا، اس سے دل میں کراہت ہوتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا کہ اس سے اذیت ہوتی ہے اس کے لگنے کی وجہ سے نہیں۔ غرض مذہب یہ ہے اور وجوہ تاویل میں اصح واجمع۔

پنجم:-

یہاں کچھ علماء کے دوسرے تین وجوہات ہیں، وجہ سادس یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول ”لا عدوی“ سے جذام مستثنیٰ ہے یعنی کوئی ”کوئی چیز دوسرے کو اڑ کر نہیں لگتی ہے سوائے اس کے“، (یعنی جذام) اس کی نسبت ”اشعته اللعاع“ میں کرمانی شافعی صاحب ”کواکب الدراری“ شرح صحیح بخاری کی طرف کی ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ ان کا قول نہیں، انہوں نے نقل کیا اور اس سے رضا مند نہیں، بلکہ ضعیف قرار دیا چنانچہ، قیل،، سے اس کو بیان کیا۔ جیسا کہ ”مجمع البحار“ میں ان سے منقول ہے بلکہ خود شیخ سے ماہبت بالسنہ میں ہے جو یہاں پر پہلے ہی گزر چکا ہے پھر اس ”قیل“ کا کوئی قائل نہیں ہے اور نہ کوئی اس رجحان کا حامل ہے اور نہ کوئی دلیل اس کی تائید کر رہی ہے۔

(وجہ سابع“ بغوی کے خیال میں ایک قول یہ ہے کہ جذامی سے ایسی بو آتی ہے کہ اس کے ساتھ رہنا، کھانا یا ساتھ سونا اچھا نہیں سمجھا جاتا اڑ کر لگنے کی وجہ سے نہیں، بلکہ طب کی رو سے جیسے بدبودار سڑی ہوئی چیز کھانے کے بعد ناپسندیدہ چیز سونگھنے اور ایسی جگہ ٹھہرنے سے نقصان ہوتا ہے جس کی ہوا موافق نہ ہو، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔ یہ تمام چیزیں بغیر اللہ تعالیٰ کی رضا کے کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتی ہیں۔ مجمع میں اس کو نقل کیا ہے جس کی نسبت ”اشعہ“ میں امام نووی کی طرف کی گئی ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ شاید یہ قول بھی اسی طرح ہے کیونکہ جس صورت میں آئندہ وجہ آٹھویں صورت کو درست خیال کیا) (اور جس کا ذکر مشکل نہیں، حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی عالم ہے میرے خیال میں جو ”اشعہ“ کے دونوں نسخوں میں ہے بغوی کی تالیف ہے، کیونکہ جو انہوں نے نقل کیا کلام بغوی کا برابر کا ترجمان ہے سوائے اس کے کہ بغوی بھی اس کے قائل نہیں، بلکہ ”قیل“ سے اس کو بطور ضعیف نقل کیا، پھر میرے خیال میں اڑ کر لگنے اور طب میں کوئی فرق نہیں سمجھتا، طب اس سلسلہ میں ”عدوی“ کا قائل ہے جیسا کہ تورپشتی، طبیبی، قاری، زرقانی، شیخ محقق وغیرہم نے نقل کیا کہ طب سات بیماریوں ”عدوی“ کا قائل ہے جیسا کہ پہلے ہی شیخ سے مروی ہے اس میں کسی کی کیفیت یا کسی خاصیت کی وجہ سے ہونے میں برابر ہے کیونکہ دونوں صورتوں میں ”صورت طب میں سے ہے“ ایسا نہیں ہے کہ ”عدوی“ جب ہو جائے تو کسی معقول سبب سے نہیں ہوتا اس کے قائلین اڑ کر لگنے کا عقیدہ رکھتے ہیں تو ان کے خیال میں کسی کیفیت یا کسی خاصیت کی وجہ سے نہیں تو جو بھی اڑ کر لگنے کا قائل ہے اگرچہ بدبو کی وجہ سے ہی ہو تو اس طرح وہ ”عدوی“ کے قائل ہوئے۔

آٹھویں توجیہ یہ ہے کہ بغیر رضائے الہی کے بیماری اڑ کر نہیں لگنے کی نفی ہے جیسا کہ زمانہ جاہلیت والوں کا خیال ہے کہ لیکن جہاں تک رضائے الہی سے بیماری اڑ کر لگنے کا تعلق ہے تو یہ ثابت ہے اسی لیے اس سے بھاگنے کا حکم ہے اور بیمار کو لانے سے منع فرمایا اور یہ نہیں جانتا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم سے ”عدوی“ ثابت ہو سوائے اس کے کہ امام طحاوی کا اس بارے میں قول ہے جیسا کہ حدیث ”لا عدوی“ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انکار اور ”لا یوردن“ کی روایت سے اتفاق گزرا، جس کو ہم دونوں میں تضاد سمجھتے ہیں۔ میرے خیال میں امام طحاوی علیہ الرحمہ کے ساتھ مجھ جیسے کا کلام نہیں ہو سکتا، لیکن ان کو جاننے والے بری

طرح قاصر ہے کہ روایت کا انکار صرف تضاد خیال کرنے میں نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی سماعت بھول گئے اس لئے انکار کے سوا کوئی چارہ نہیں یہاں تک کہ دونوں احادیث کی روایت کو ہر اعتبار سے ایک مان لیا جائے جب کہ الفاظ دوسرے ہوں اور دونوں میں سے کسی ایک کی سماعت بھول جائے اور ان سے پوچھا جائے یہ حدیث آپ نے اس طرح بیان کی تو ان کے سوائے انکار کے کوئی چارہ نہیں ہوگا۔

یہی امام مطلبی محمد بن ادریس شافعی رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے مناوی نے ”فیض القدير“ میں کہا ”اتقوا المجذوم“ یعنی اس کی صحبت سے بچو کیونکہ ساتھ رہنے والے کو اڑ کر لگ جائے گا جیسا کہ ایک مقام پر امام شافعی نے اس کا اعتراف کیا ہے اور دوسرے مقام پر اطباء و تجربہ والوں سے بیان کئے، دوسروں نے بھی فاضل اطباء سے نقل کی۔ میرے خیال میں امام شافعی رضی اللہ عنہ کا طریقہ اس جیسے مقام میں مشہور یہ ہے کہ تجربہ پر اعتماد کیا جائے، اسی لئے وہ قیافہ کے بھی قائل ہیں اور اس کو احکام شرعیہ میں حجت بھی قرار دیا۔ اس بارے میں ان کی حکایات مشہور ہیں جو مقاصد سخاوی وغیرہ میں منقول ہیں۔ ان کے ہم مذہب دو اساتذہ سے ایک امام ابو زکریا نووی نے ان کی اتباع کی، ان سے پہلے امام ابو عمرو بن صلاح نے بھی، ان دونوں کے بعد کرمانی، طیبی اور ابن تائثیر نے اتباع کی جیسا کہ ملا علی قاری نے بیان کیا۔ اسی طرح سخاوی نے بیان کیا جو مقاصد دونوں نسخوں میں موجود عبارت میں ان کے اعتراض سے ظاہر ہے کہ ہمارے علماء تو رپڑی اور قاری نے ان سے اتفاق کیا جیسا کہ آئمہ میں سے عسقلانی نے ہم سے اتفاق کیا، مناوی کے کلام میں ظاہری اضطراب ہے، چنانچہ انہوں نے ”کلم المجذوم“ حدیث کے تحت فرمایا تا کہ تم کو جذام نہ لگ جائے تو یہ گمان ہوگا کہ اس سے تم کو اڑ کر لگ گیا، حالانکہ وہ صرف منجانب اللہ ہوتا ہے اور اس میں کمزور یقین اور اسباب پر نظر رکھنے والوں سے خطاب ہے۔

اس میں ایک طرح کا وہی رجحان ہے جو علماء جمہور کا ہے، یہی خیال علامہ زرقانی کا ”شرح موطا“ میں ایک مقام پر ہے چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ”بیمار تندرست کے پاس نہ آئے“ کے تحت فرمایا بسا اوقات اس سے بیماری ہو جائے گی تو یہ خیال ہوگا کہ اگر اس کے پاس نہ آتا تو بیماری نہ ہوتی، جب کہ حقیقت میں اس کے پاس نہیں بھی آتا تو بیماری ہو جاتی اس لئے کہ تقدیر الہی ایسی ہی ہے۔ لہذا اس علت کی وجہ

سے جس سے بچنا انسانی فطرت کے لئے ناممکن ہے اس سے منع فرمایا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یوں ارشاد ہوا: ”جذامی سے اس طرح بھاگ جس طرح شیر سے بھاگتا ہے“ اگرچہ ہمارا عقیدہ ہے کہ جذام اڑ کر نہیں لگتا لیکن ہم سے اس کے ملنے سے اپنے دل میں نفرت و کراہت محسوس کرتے ہیں، اسی پر علماء جمہور کا اتفاق ہے پھر فرمایا جہاں تک بیمار کو لانے سے منع کا تعلق ہے تو اس کے ذریعہ ان اسباب سے بچنا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے ہلاکت و اذیت کا ذریعہ بنایا ہے اور بندے کو بلا کے اسباب سے بچنے کا حکم ہے جب کہ وہ تندرست رہے۔

ابوداؤد کی ایک مرسل حدیث میں ہے:-

”انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بحائط مائل فقال اخاف موت

الفوات“ اہ

”کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جھکی ہوئی دیوار کے قریب سے گزرے آپ

نے فرمایا مجھے ہلاکت کا اندیشہ ہے“

اس میں قول آخر کی طرف ایک طرح کا میلان ہے بلکہ اسی کا ايقان ہے اگر آپ کا ارشاد یا اذیت نہیں ہوتی، پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک ”انہ اذی“ کی طرف لوٹے اور اس کے تحت فرمایا کہ اس سے اذیت ہوتی ہے نہ کہ اڑ کر لگ جائے گی، پھر یحییٰ بن یحییٰ سے نقل کیا جس کو ہم نے پہلے بیان کیا اور آگاہ کیا کہ یہ نظریہ رکھنے والے جیسے تورپشتی، طبی اور قاری سبھوں نے شیخ محقق اور زرقانی کی عبارت کی طرح یہ اعتراف کیا کہ ”عدوی“ کا ابطال ہی درحقیقت وہ نظریہ ہے جو اکثر علماء کا ہے میرے خیال میں ”شرح مسلم“ میں امام نووی کے قول سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

جمہور علماء کا یہ قول ہے کہ یہ دونوں حدیثوں کے درمیان جب کہ دونوں صحیح ہیں جمع کرنا ضروری ہے اور جمع کا طریقہ یہ ہے کہ ”لا عدوی“ والی حدیث سے مراد اس رجحان کی نفی ہے جو زمانہ جاہلیت کے لوگ رکھتے تھے کہ بیماری اور عیب فطری طور پر اڑ کر لگتا ہے منجانب اللہ نہیں ہوتا، اب جہاں تک بیمار کو تندرست کے پاس نہ لانے والی حدیث کا تعلق ہے تو اس سے فطری طور پر تکلیف دہ چیز سے بچنے کی رہنمائی ہے جو خود منجانب اللہ اور

تقدیر الہی سے ہے۔ یہ وہ قول ہے جو دونوں حدیثوں کو صحیح قرار دیتے ہوئے دونوں میں مطابقت پیدا کرتا ہے، جو بہترین اور علماء جمہور کا قول ہے اور دونوں کا انجام بھی وہیں پہنچتا ہے۔

وجوب جمع اور دونوں حدیثوں کی تصحیح کی نسبت علماء جمہور کی طرف ہے صرف جمع کی نہیں، بسا اوقات یہ اشارہ کرتے ہیں کہ اس جمع کے ذکر کے بعد یہ نہیں کہا کہ جو ہم نے ذکر کیا وہی درست اور جمہور کا قول ہے بلکہ اس کی وضاحت اپنے اس قول سے کی ”من تصحیح الحدیثین والجمع بینہما“ اگر صرف جمع مراد لیتے تو تفسیر کی بالکل ضرورت نہیں ہوتی تھی کیونکہ بغیر کسی فصل کے اس جمع سے اشارہ متصل ہے چہ جائے کہ اس کی عام تفسیر کرے ایسی صورت میں ”ہذا“ کے ذریعہ ان دو پہلی صورتوں سے بچنا ہے جن کو ہم نے پہلے بیان کیا دونوں میں سے ایک حدیث ثابت نہیں، منسوخ ہے، تو یہ قول ویسا ہی ہے جیسے امام قاضی عیاض سے بعد میں منقول ہے انہوں نے کہا سلف میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ اس کے ساتھ کھانے کے قائل ہیں اور ان کی رائے یہ ہے کہ اس سے بچنے کا حکم منسوخ ہے، حالانکہ صحیح قول وہی ہے جو اکثر علماء کا ہے اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ منسوخ نہیں بلکہ دونوں حدیثوں کو جمع کرنا ضروری ہے اور اس سے بچنے کے حکم اور بھاگنے کے استحباب کو احتیاط پر محمول کرنا ہے، وجوب پر نہیں، لیکن جہاں تک ساتھ کھانے کا تعلق ہے تو ان کا فعل بیان جواز کے لئے ہے۔ ایسی صورت میں ان کا قول ”قال وطریق الجمع، الخ“ اقوال نقل کر کے علماء کے درمیان مشہور قول کے مطابق ہو جائے گا جو لفظ قالو سے جمع ہے مگر اس کا مرجع جمہور علماء ہے تا کہ اکثر سے اکثر کے نقل کے خلاف نہ ہو جن میں سے خود تو رپشتی اور قاری ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

پھر ان کے خلاف ہماری دلیل سب سے پہلے ظاہری متواتر احادیث ہیں جیسا کہ انہوں نے اس کا اعتراف کیا اور بغیر دلیل کے ظاہر سے اعراض نہیں کیا جاسکتا جب کہ دلیل بھی ہے کہاں؟ دوم، جو ہم نے امام طحاوی سے بیان کیا کہ اگر وہ ہلاکت کے اسباب عادی میں سے ہوتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہ کرتے اور نہ خلفاء راشدین یہ فعل انجام دیتے، نہ ان کے ساتھ تواضع اور ایمان کے طور پر کھانے کا حکم دیتے کیونکہ ایسی صورت میں شرعی طور پر اس بچنے کا حکم دیا جاتا کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:-

”اپنے کو ہلاکت میں مت کرو“

دوسرا ارشاد باری تعالیٰ ہے:-

”اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو“

اس کی مثال ایسی ہے جیسے جھکی دیوار اور ٹوٹی کشتی ”عدوی“ کے قائلین بھی اس کے معترف ہیں جیسا کہ آپ آئندہ واقف ہونگے۔ میرے خیال میں اسباب سے ٹکرانا اور عادت کے مطابق ہلاکت کی طرف لے جانے کی پیش قدمی کرنا تو کل نہیں ہے، کسی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ اپنے آپ کو پہاڑ پر سے اللہ رب العزت پر توکل اور ایقان رکھتے ہوئے کہ اگر اس کی مشیت نہیں ہوگی تو کچھ نقصان نہیں ہوگا، گرانا جائز نہیں۔

حکایت ہے کہ شیطان نے سیدنا عیسیٰ کلمتہ اللہ علی نبینا الکریم و علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے اس کا مطالبہ کیا تو آپ نے فرمایا میں اپنے رب کو نہیں آزما تا اور علماء نے موج کے وقت سمندر کی سواری کو ممنوع قرار دیا اس سے عدوی کے قائلین کا ”کل ثقة باللہ“ اور اس جیسی احادیث کا توکل اور اسباب چھوڑنے پر محمول کرنے کا جواب ظاہر ہو گیا۔ صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فعل اور اس سلسلے میں ان کا مبالغہ ذکر کیا گیا جس سے آپ کو یہ رہنمائی ملتی ہے کہ وہ ان علماء کے رجحان کا رد ہے، یہاں علامہ علی قاری علیہ رحمہ الباری کا کلام پیش کرتے ہیں کیونکہ انہوں نے عدوی کے قائلین کے تمام اقوال جمع کئے ہیں اور کچھ اضافہ بھی کیا ہے درمیان میں ان صورتوں کو بھی بیان کیا ہے جو منجانب اللہ شرح صدر ہوئے۔ علامہ علیہ الرحمہ نے کہا، تاویل میں علماء کا اختلاف موجود ہے کچھ حضرات کا یہ کہنا ہے کہ اس سے مراد اس کی نفی اور اس کا ابطال ہے جیسا کہ ظاہر احادیث اس پر دلالت کر رہی ہے انہیں کی اکثریت ہے۔

کچھ حضرات کا یہ نظریہ ہے کہ اس سے ابطال مراد نہیں چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ”مجذوم سے شیر کی طرح بھاگ“ میرے خیال میں ابطال مراد لینا تو ظاہر ہے جیسا کہ اقرار کیا ہے اور مذکورہ صورت میں اس کی حامل نہیں کیونکہ تاویل کی وجوہات آپ کو معلوم ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”جذامی تندرست کے پاس نہ لایا جائے“ اس کو دلیل کے لئے پیش کیا۔ میرے خیال میں یہ موطا کی اس روایت

سے بھی ضعیف اور بعید ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عدویٰ کی نفی فرمائی اور مریض کو لانے سے منع فرمایا صحابہ کرام نے عرض کیا، کیا وجہ ہے؟ فرمایا اس سے اصحاب فطرت کے اعتقاد کی نفی مراد ہے کہ وہ لوگ لگنے والی علت کو بھی حقیقی موثر سمجھتے ہیں تو ان کو یہ بتایا کہ جس طرح وہ سوچتے ہیں ویسا ہی نہیں بلکہ وہ مشیت پر منحصر ہے اگر اللہ کی مشیت ہو تو بیماری ہوگی اگر مشیت الہی نہ ہو تو نہ ہوگی۔ میرے خیال میں ہر چیز اسی طرح اور اس سلسلہ کے تمام اسباب برابر ہیں اور شرع نے اسباب کی نفی نہیں، بلکہ اس کو صحیح قرار دیا اور اس کی تاثیر کی نفی کی۔ اصحاب فطرت کا اعتقاد نظر کے بارے میں عدویٰ کے اعتقاد سے کم نہیں ہے، پھر شریعت نے اس کی نفی بھی نہیں کی، بلکہ یہ کہا نظر حق ہے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یہ یعنی اگر تم سمجھتے ہو کہ اس کا سبب عدویٰ ہے دوسرا نہیں، تو پھر پہلے شخص کو کس کی اڑ کر لگی؟

میرے خیال میں اولاً عدویٰ میں علت موثر ماننے اور صرف عدویٰ کو موثر ماننے میں بہت بڑا فرق ہے جب کی ان سے وہی (علت موثر) مسکت ثابت ہے، یہ نہیں ”تیسیر“ میں مناوی کے بھی ایسے ہی خیالات ہیں انہوں نے کہا یہی مسکت جواب ہے اس لئے کہ اگر بیماری کو کھینچتی تو پہلی بیماری کا ختم ہو جانا لازم آتا ہے کیونکہ کھینچنے والی نہ رہی آپ کو معلوم ہے کہ یہ بالکل لازم نہیں آتا جب تک کہ سبب جلب کے وقت سلب کے قائل نہ ہو حالانکہ ان کا خیال ایسا نہیں اور ان کے خیال کو لازم ہے حدیث کی تفسیر میں بہترین ترجیح اسی کو ہے جو پہلے بیان کیا اسی کی طرف امام طحاوی کا رجحان ہے جیسا کہ میں نے پہلے بتایا کہ اس کا ذکر بزبان متکلم امام عینی شرح بخاری میں فرمایا، یعنی پہلے اونٹ کو کس نے خارش لگا دی؟ یعنی کس کے پاس سے اس کو خارش آگئی۔ اگر آپ کہیں کہ دوسرے اونٹ سے تو تسلسل لازم آئے گا اگر یہ کہیں کہ کسی دوسرے سبب سے تو اس کا بیان کرنا ضروری ہے اگر یہ کہیں کہ جس نے پہلے میں اس کو پیدا کیا اس نے دوسرے میں بھی کیا، تو مدعی (مقصد) ثابت ہو جاتا ہے وہ یہ کہ جس ذات نے تمام میں اثر کیا وہ اللہ خالق ہے، جو ہر شے پر قادر ہے یہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے بلیغانہ جواب ہے میرے خیال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر کلام ایسا ہی ہے۔ کیوں نہ ہو، جب کہ آپ کو جو مع الکلم سے نوازا گیا، تفسیر میں دوسرا پہلو جو آپ نے ذکر کیا ہے اس کی ضرورت نہیں، کیونکہ جب یہ اعتراف کر لیا

گیا کہ عدویٰ نہیں ہے بلکہ کسی دوسرے سبب سے، تو مرض کے لئے دوسرا سبب ثابت ہونی کی وجہ سے وہ عدویٰ ختم ہو گیا اسی طرح دوسرے کو اسی سبب سے ہوگا، لہذا دعویٰ پر دلیل نہ ہونے کی وجہ سے عدویٰ ثابت نہیں ہوا۔

ثانیاً، میرے خیال میں من اعدی الاول میں ای سے عادة ثبوت عدویٰ کا اشارہ ہے تاثر کے اعتبار سے نہیں، جس کو ”فر من المجذوم اور لایوردن ذوعاھتہ علی مصحح“ سے بیان فرمایا کہ اس کا قریب ہونا سبب علت ہے لہذا اس سے بچے، جس طرح آپ جھکی ہوئی دیوار اور عیب دار کشتی سے بچتے۔ میرے خیال میں تب تو خواص و عوام ہر ایک کو اس سے دور رہنا ضروری ہے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل مبارک اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا فعل اس کی مخالفت کر رہا ہے، اسی طرح ”صاحب بلاء کے ساتھ کھاؤ“ والی حدیث پہلی جماعت نے دوسرے کی دونوں حدیثوں سے استدلال کرنے میں رد کیا کہ یہی دونوں میں کسی ایک چیز کے ملنے کے اندیشے سے ہے۔ خود علت ہو جائے یا اس کے اونٹ میں بیماری آجائے تو یہ عقیدہ ہو جائے گا کہ عدویٰ صحیح ہے اس جو عقلمانی نے ”شرح النخبة الفکر“ میں اختیار کیا۔

شرح الشرح میں ہم نے اس پر کافی بحث کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بیعت کے وقت مجذوم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پرہیز کرنے سے اس پر اعتراض پیدا ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں اس کے بارے میں کافی و شافی صورتیں گزر چکی ہیں جس حضور صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات اپنے مرتبے سے نیچے اتر کر راہ اختیار فرماتے، حالانکہ منصب نبوت اس بات سے بعید ہے کہ ظن عدویٰ کے مادہ (جڑ) کو ختم کرنے کے لئے ایسا کلام پیش کرے جو خود بھی مادہ بن جائے، کیونکہ دور رہنے کے حکم سے ظاہر ہے فطرتاً عدویٰ کی تاثر کے گمان کو رائج کرنا ہے۔ میں کہتا ہوں، اولاً، ہم سے کلام النفاۃ السراۃ کی تقریر میں بیان فرمایا جس سے آپ کو جواب ملے گا، کیا نہیں دیکھتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عدویٰ کی نفی اعلانیہ طور پر کی ہے اور اس کا اعلان کئی بار کیا ہے اور اپنے اس قول سے اس کی رگ رگ کاٹ دی ہے کہ ”پہلے کو کس کی اڑ کر لگی“ پہلے کو کس نے خارش لگائی“ یہ تقدیر ہے اس کی تبلیغ تمام کے پاس واضح طور پر فرمائی ہے۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تو اترامروی اور بالکل عام ہے تمام کانوں اور خطوں میں پر ہے۔ اب اس سختی کے بعد اس کمان کو کون ختم کرنے والا ہے، سوائے اس کے جب مومنین کے

دلوں میں یہ وسوسہ دور کر دیا گیا تو یہ اندیشہ باقی رہ گیا کہ اس وہم کے ختم ہونے کی وجہ بیماروں سے ملیں گے ان سے بچیں گے نہیں، جب کہ ان میں کمزور یقین والے بھی ہیں، بلکہ اکثر وہی ہیں۔

ادھر شیطان انسان کی رگ رگ میں سرایت کئے ہوئے ہے حالانکہ اللہ کی یہ بالکل اٹل تقدیر ہے تو اگر کسی کو کوئی بیماری ہو جائے تو دشمن اس کے دل میں یہ شک ڈال دے گا کہ عدویٰ کی وجہ سے ہے تو بھاگنے سے زیادہ اسی کی وجہ سے اس کے دین کو نقصان پہنچے گا اگر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نفی فرمائی ہے تو آپ کی رحمت جو مومنوں پر مہربان اور رحیم ہے آپ کو اس بات پر ابھارتی کہ ان کو ملنے سے منع فرمادیں کیونکہ اس کے بغیر اگر کچھ ہو جاتا تو نعوذ باللہ فساد اعتقاد تو نہیں ہوتا اس معاملہ میں جب بات وہی ہے جیسا کہ ہم نے آپ سے بیان کیا تو کیا اس کے سد باب کے لئے حکمت و رحمت والی ذات صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار کردہ عمدہ طریقہ کے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ ہے؟

جب تمہارے نزدیک زور رہنے کا حکم بدن پر شفقت کے لئے ہے تو تم کو کیا ہو گیا ہے کہ ایمان پر شفقت کے لئے اس کی اجازت نہیں دیتے ہو اس لئے انصاف ضروری ہے۔ دوم، تعجب ہے کہ تاثیر فطری کا وہم کہاں سے آگیا؟ کیا شارع علیہ السلام نے ہلاکت کے اسباب کے پیش نظر پاس جانے سے منع نہیں فرمایا؟ اور کیا آپ جھکی ہوئی دیوار کے پاس جلدی نہیں گزر گئے؟ تو کیا اس میں اس گمان کا دروازہ کھولنا ہے کہ خود اس کی تاثیر ہوتی ہے بہر صورت سبب کے اعتبار سے عدویٰ کی نفی پر دراصل کوئی دلیل نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

اول، جواب یہ ہے کہ اگر نفی جنس اور خبر نفی پر داخل ہونے والا نکرہ عموم نفی پر دلالت نہ کرے تو کون دلالت کرے گا بلکہ تخصیص نفی پر دلالت ہی نہیں ہو سکتی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

دوم، علیٰ کل تقدیر کا معنی واضح نہیں، کیونکہ تعیم نفی کی صورت میں اس پر دلالت ہو رہی ہے جو ظاہر ہے۔ لہذا غور کرنا چاہیے۔ شیخ تورپشتی فرماتے ہیں میں قول ثانی کو بہترین تاویل قرار دیتا ہوں کیونکہ اس سے اس سلسلہ میں وارد احادیث کے درمیان مطابقت پیدا ہو رہی ہے۔ میں کہتا ہوں، اولاً قول اول سے مطابقت پیدا ہو رہی ہے، جب کہ ہم نے بیان کیا اسی لئے شاید طبی اس تعلیل اس ان کے اس قول کی طرف رجوع ہوتے ہیں کہ

دوسرے قول کو بہتر سمجھتا ہوں کیونکہ اس سے احادیث اور ایسے طبی اصول کے درمیان مطابقت ہوتی ہے جن کے اعتبار سے شرع شریف کا ورود ایسے طریقہ پر ہوا جو اصول تو حید کے خلاف نہ ہو۔ میرے خیال میں شرع شریف کو فلسفیانہ طب کے اصول سے تطبیق دینے کی ضرورت ہی نہیں، بلکہ شرع شریف پر ہمارا ایمان ہے۔ ہم اس کے احکام کو ظاہر پر جاری کریں گے تو اگر طب وغیرہ اس کے موافق ہو تو ٹھیک ہے ورنہ مخالف کو چھوڑ دیں گے، وہ کچھ بھی ہو۔ والحمد للہ رب العلمین۔

دوم، بلکہ قول اول کے مطابق موافقت زیادہ ہو رہی ہے کیونکہ منصب نبوت بات سے پاک ہے کہ کسی حق کے معاملہ کی نفی میں اس طرح کا مبالغہ کرے اور اس کے اثبات کی رہنمائی صرف غیر واضح امر سے کرے۔ سوم، بلکہ حق کی مطابقت اسی میں منحصر ہے جس کو جمہور نے اختیار کیا ہے کیونکہ اس میں کسی بھی حدیث کو ظاہر سے پھیرنا نہیں ہے اور نہ بغیر کسی ظاہری مجبوری کے تخصیص پیدا کرنا ہے نیز اس لئے کہ قول اول طبی اصول کو بے قرار دیتا ہے۔ جب کہ شرع میں شریف نے اس کو باطل قرار دیا بلکہ اس کا اثبات کیا ہے اس کا اعتبار ایسے طریقت سے ہے جس کو ہم نے ذکر کیا ہے۔ میرے خیال میں ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ شرع شریف نے طب کو پورے اصول کے ساتھ تسلیم کر لیا ہے۔ تینوں علماء تورپشتی، طبیبی، اور ملا علی قاری دوسروں کی طرح ناقل ہیں کہ اطباء طاعون اور وباء میں اڑ کر لگے کا اعتقاد رکھتے ہیں تو اگر شریعت اس بارے میں ان کی تصدیق کرتی تو ٹھہرنے اور جہاں پر وباء ہے وہاں سے نہ نکلنے کا حکم نہیں دیتی کیونکہ اس سے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے اور نہ اس سے بھاگنے والے کو جنگ سے بھاگنے والے کی طرح قرار دیتی بلکہ گرنے والی دیوار سے بھاگنے والے کی طرح ہوتا، حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر یہ روایت ہے کہ اس پر اجر عظیم کا بھی وعدہ ہے، لہذا معلوم ہوا کہ ان کا یہ گمان شرع کے نزدیک بالکل باطل ہے۔

آپ نے تو اس کے پاس جانے سے بھی منع فرمایا جس طرح جذامی کے پاس سے بھاگنے کا حکم دیا اس لئے کہ ہو سکتا ہے اس کے پاس جانے سے تقدیراً بیماری اس کو لگ جائے تو یہی کہے گا کہ اس کی بیماری اڑ کر مجھے لگ گئی یا یہ کہے گا کہ اگر نہ جاتا تو یہ بیماری مجھے نہ لگتی وغیرہ، اگر یہ ہو جائے تو نعوذ باللہ شیطان کا عمل کھل جاتا ہے

فرمایا ہمارے بیان کی صحت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک دلیل ہے کہ ”تمہاری بیعت ہوگئی، لوٹ جاؤ“ اور آپ کا ارشاد گرامی کہ ”اللہ پر بھروسہ رکھتے ہوئے کھاؤ“ ان دونوں حدیثوں کے درمیان سوائے اس طریقہ کی موافقت کے کوئی صورت نہیں کہ پہلے کہ ذریعہ اسباب ہلاکت سے بچنے کو بیان کیا اور دوسرے کی ذریعہ اسباب چھوڑنے میں اللہ پر بھروسہ رکھنے کو بیان کیا، انتہی کلام تو رپشتی۔ قاری فرماتے ہیں یہ بہترین موافقت ہے، واللہ ولی التوفیق۔

میں کہتا ہوں، اللہ تم پر رحم کرے، تم نے وسیع کو تنگ کر دیا جو بالکل واضح اور ظاہر ہے اور ہم نے اس کے وجوہ ترجیح اور جمع کو پہلے بیان کیا، جو کچھ ہے اس میں ہے جیسا کہ گزشتہ بیان کیا، کیونکہ اسباب ہلاکت سے بچنا تمام انسانوں کے لئے ضروری ہے، اس سے خواص بھی مستثنیٰ نہیں، توکل اسباب کو چھوڑنے کا نام نہیں اور نہ حکمت سے ٹکرانا اور اس کے خلاف جرات کرنے کا نام ہے۔ بلکہ اسباب کو نفع و نقصان دینے والے سمجھ کر سبب پر نظر اور اللہ پر بھروسہ کے ساتھ دل سے نکالنا ہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک ”مجذوم سے بھاگ“ کے تحت ملا علی قاری نے فرمایا پہلے بیان ہو چکا کہ یہ کمزور ایمان والوں کے لئے رخصت ہے اور مضبوط ایمان والوں کے لئے اس کا چھوڑنا جائز ہے اس بنیاد پر کہ جذام متعدی بیماریوں میں سے ہے۔ میرے خیال میں انکار کرنے والوں اور اعتراف کرنے والوں کے تمام اقوال اس بات پر مائل ہیں کہ ”بچنے کا حکم“ کمزور یقین والوں کے لئے ہے اور اللہ پر بھروسہ رکھتے ہوئے بیمار کے ساتھ کھاؤ“ اس جیسی احادیث کامل یقین والوں کے لئے ہیں۔

جس کی صراحت ”مقاصد حسنہ“ ”تیسیر“ وغیرہ میں بھی ہے نیز یہ منکرین کے قول کی صحت پر دلیل ہے کیونکہ متعدی اسباب میں مضبوط اور کمزور ایمان والے برابر ہیں، لہذا یہ معترفین کے قول سے موافق نہیں، لیکن منکرین کے قول کے مطابق واضح ہے کہ حقیقت میں عدویٰ نہیں، بلکہ اندیشہ تو یہ ہے کہ جو منجانب اللہ اس میں مبتلا ہو جائے تو اسی کا وہم کرے گا جب کہ کامل ایمان والے اور اپنے رب کے بھروسہ کرنے والوں سے اس کا اندیشہ نہیں، اپنی رحمت کے صدقے ہم کو بھی اللہ انہیں میں سے بنائے، آمین۔

بالجملہ! مذہب معتدو صحیح و رنج و نجیح یہ ہے کہ جذام کھجلی، چچک، طاعون وغیرہ اصلاً کوئی بیماری ایک

کی دوسرے کو ہرگز ہرگز اڑ کر نہیں لگتی، یہ محض اوہام بے اصل ہیں، کوئی وہم پکائے جائے تو کبھی اصل بھی ہو جاتا ہے کہ ارشاد ہوا ہے ”انا عند ظن عبدی بی“ (میں اپنے بندے کے گمان کے قریب ہوں) وہ اس کی بیماری اسے نہ لگی، بلکہ خود اسی کی باطنی بیماری کہ وہم پروردہ تھی صورت پکڑ کر ظاہر ہو گئی ”فیض القدیر“ میں ہے بل الوہم وحده من اکبر اسباب الاصابۃ (بلکہ وہم ہی مصیبت کے بڑے اسباب میں ہے) اس لئے اور نیز کراہت واذیت و خود بینی و تحقیر مجذوم سے بچنے کے واسطے اور دورانہ لشی سے کہ مبادا اسے کچھ پیدا ہو اور ابلیس لعین و سوسہ ڈالے کہ دیکھ بیماری اڑ کر لگ گئی اور اب معاذ اللہ اس امر کی حقانیت اس کے خطرہ میں گزرے گی جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم باطل فرما چکے، یہ اس مرض سے بھی بدتر مرض ہوگا۔

ان وجوہ سے شرح حکیم و رحیم نے ضعیف الیقین لوگوں کو حکم استحبابی دیا ہے کہ اس سے دور رہیں اور کامل الایمان بندگان خدا کے لئے کچھ حرج نہیں نہ وہ ان سب مفاسد سے پاک ہیں۔

خوب سمجھ لیا جائے کہ دور ہونے کا حکم ان حکمتوں کی وجہ سے ہے نہ یہ کہ معاذ اللہ بیماری اڑ کر لگ جائے اس تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم رو فرما چکے ہیں کہ ہوں، پھر از انجا کہ یہ حکم ایک احتیاطی استحبابی ہے، واجب نہیں کما قد منا عن النووی عن القاضی عن جمہور العلماء جیسا کہ ہم نے نووی سے بیان کیا وہ قاضی سے وہ جمہور علماء سے ہرگز کسی واجب شرعی کا معارضہ نہ کرے مثلاً معاذ اللہ جسے یہ عارضہ ہو اس کے اولاد و اقارب و زوجہ سب اس احتیاط سے دور بھاگیں اور اسے تنہا چھوڑ دیں، یہ ہرگز حلال نہیں، بلکہ زوجہ ہرگز اسے ہم بستری سے بھی منع نہیں کر سکتی۔

ولہذا ہمارے شیخ مذہب امام و امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ کے نزدیک جذامی شوہر سے عورت کو درخواست فسخ نکاح کا اختیار نہیں اور خدا ترس بندے تو ہر بے کس کی وجہ سے یا رکی اعانت اپنے ذمہ پر لازم سمجھتے ہیں۔

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

”اللہ اللہ فی من لیس لہ الا اللہ ابن عدی عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لا جرم“

(اس کو ابن عدی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالیقین روایت کیا) امام محقق علی الاطلاق ”فتح القدير“ میں فرماتے ہیں اما الثانی (ای قولہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمن المجدوم فطاهره غیر مراد لا اتفاق علی اباحۃ القرب منه ویشاب بخدمة و تمر یضہ و علی القيام بمصالحة) یعنی علماء کا اتفاق ہے کہ مجذوم کے پاس اٹھنا، بیٹھنا مباح ہے اور کی خدمت گزاری و تیمارداری موجب ثواب، واللہ تعالیٰ اعلم۔

جب مقالہ ایک رسالہ کی صورت میں ہو گیا تو مناسب یہ ہوا کہ اس کا نام ”الحق المجتلی فی حکم المبتلی“ رکھیں۔ والحمد للہ علی ما انعم و علم و صلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا و مولانا محمد والہ و صحبہ وسلم۔

(ختم شد)